سلسلہ عالیہ نقشبندی کا تاریخی جائزہ

ڈاکٹر محفوظ احمد *

Abstract:
"Naqshbandi sufi order is the great order of mysticism in Islam. First personality of this order is Hazrat Abu Bakar Siddique (R.A), then this order spread all over the world. There are four historical periods of this silsla. Most prominent personalities of the silsla Aliya Naqshbadia are Hazrat Ba Yazeed Bistami, Hazrat Abd ul Khaliq Ghajdwani, Hazrat Bahaw ul din Naqssbad Bukhari and Hazrat Sheikh Ahmad Serhindi Farooqi R.A. In these periods, many teachings of Tasaawwuf are included and excluded. After Hazrat Imam Rabbani, this silsla had expended and many Khanqahs were established in Indo Pakistan. In this article, a short updated history of this great Sufi Order in subcontinents and explanation of some terminologies of Tasaawwuf are discussed."

Key Words: Mysticism, Prominent Personalities, Khanaqha, Sufi order, Silsala Naqshbandia, Tasawwuf.

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی لحاظ سے چار مقاصد تھے:

اول: تلاوت قرآن حکیم دوم: تعلیم الکتاب

سوم: تعلیم حکمۃ چہارم: تزکیۂ نفس (۱)

ان چہار مقاصد میں تزکیہ نفس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جسے بعد کے دور میں تصوف کا نام دیا گیا جس کے بنیادی اصول یا ارکان استغراق عبادت (یادق)، توبہ، زہد، ورع، فقر، توکل اور رضا ہیں۔ جس شخص کا نفس امارۃ بالسوء تزکیہ کے بعد نفس مطمئنہ کا مقام پالیتا ہے وہ مبارک ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں: "وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ" (سورۃ مریم:۳۱) اللہ تعالی نے مجھے مبارک بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں۔

☆ سابق پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

رسول کریم ﷺ کا کوئی بھی امتی جب قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتا ہے تو وہ بھی اسی طرح مبارک ہو جاتا ہے۔ تمام صحابہ کرام کو بنی نقص دینی تزکیہ نفس اول الذکر تین امور کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کی صحبت سے حاصل ہوا۔ لیکن اس کے باوجود یہ حظ (حصہ) کسی کو کم ملا اور کسی کو زیادہ۔ تمام صحابہ کرام میں سے صرف حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی مرتضی کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ان سے تزکیہ نفس کے باقاعدہ سلاسل تصوف کا آغاز ہوا۔(۲) یہ دونوں حضرات مقام صدیقیت اعلی پر فائز تھے۔

اس باب میں حضرت ابو بکر صدیق سے شروع ہونے والا سلسلہ صدیقیہ جو حضرت بہاؤ الدین نقشبند بخاری (م۷۹۱ھ) سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے نام سے معروف ہوا۔اس کے ارتقاء کے بارے تحریر کیا جائے گا۔ ارتقاء سے مراد مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک طریقہ سلوک وتزکیہ اور تعلیمات کا ارتقاء ہے۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق

سورۃ انساء کی آیت نمبر ۶۹ کے مطابق تقرب الہی کے چار مقامات (نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت) میں صدیقیت دوسرے نمبر پر ہے۔ صدیقیت قرب الہی کا وہ مقام ہے جس پر انبیاء کرام علیہم السلام اعلان نبوت سے قبل اپنے معاشرے میں بھی معروف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے ارشاد فرمایا:

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا" [سورۃ مریم:۴۱]

اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے بے شک وہ صدیق نبی تھے:

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا" [سورۃ مریم:۵۶]

اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے بے شک وہ صدیق نبی تھے۔

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو عورت ہونے کی وجہ سے مقام نبوت کی بجائے مقام صدیقیت عطا ہوا چنانچہ ارشاد ہوا:

"وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ" [سورۃ المائدۃ:۷۵] آپ (حضرت عیسی علیہ السلام) کی والدہ صدیق تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعلان نبوت سے قبل اہل عرب الصادق والامین کے لقب سے پکارتے تھے۔ قریش نے جب تعمیر عمارت کعبہ کی تو بیت اللہ میں حجر اسود کی تنصیب کے

معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا تو ایک قریشی ابو امی خزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے باب بنی شیبہ سے جو شخص صبح کے وقت سب سے پہلے داخل ہو ہم اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں، لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے لوگوں نے آپ کو دیکھا اور کہنے لگے:

"ھذا الامین"(۳) محمد (ﷺ) ہیں جو امین ہیں ہم سب ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔

حضرت پیر کرم شاہ (م ۱۹۹۸ء) فرماتے ہیں کہ اہل مکہ حضورم کے صدق مقال حسن معاشرت اور صفت دیانت وامانت سے اتنے متاثر تھے کہ حضور کو الصادق والا مین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔(۴)

حضرت ابو بکر صدیق کے مقام صدیقیت پر فائز ہونے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

"وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ"[سورۃ الزمر]

اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ لوگ ہی تو متقی ہیں۔

مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت میں "وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ" سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور "وَصَدَّقَ بِهٖٓ" سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔(۵)

اسی طرح سورت الیل میں مقام صدیقیت کے ان اوصاف یعنی اللہ تعالی کی راہ میں صدقہ کرنا، تقوی اور ہر بھلائی کی تصدیق کرنا کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان اوصاف کے حضرت ابو بکر صدیق بدرجہ اولی متصف تھے اسے لیے مفسرین کرام کی کثیر تعداد اس بات پر متفق ہے کہ اس سورت کی آخری آیات کے مصداق آپ ہی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں حضرت ابو بکر صدیق کو اس مقام کا اہل ٹھہرایا۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ایک بار جبل احد پر نبی کریم سلام اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان تشریف فرما تھے تو پہاڑ فرحت ومسرت سے جھومنے لگا، اس کی اس حرکت پر رسول مکرم ﷺ نے فرمایا: " اثبت احد: فانما علیک نبی و صدیق و شھیدان"

اے احد شہر جا! تم پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس حدیث میں خلفاء ثلاثہ کو ان کے اس روحانی منصب کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت نزال بن سبرۃ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علی بن ابی طالب سے عرض کی کہ آپ حضرت ابو بکر کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں تو آپ نے فرمایا: "ذاك إمرء سماه الله صديقاً على لسان جبريل و محمد صلى الله عليه وسلم"[۷]

آپ وہ شخصیت ہیں جن کا لقب اللہ تعالی نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی زبان سے "الصدیق" رکھا۔ بہر حال حضرت ابو بکر صدیق کمال ایثار، کمال توکل، زہد وتقویٰ، خوف ورجا اور فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کے مقام کے حامل تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے مجھے بلا کر کہا: "اني لا أعلم في آل أبي بكر من هذا المال شيئاً الا هذه اللقحة و هذا الغلام كان يعمل سيوف المسلمين و يخدمنا. فا ذا مت فادفعيه الى عمر فلما بعثت به الى عمر قال : يرحم الله أبابكر لقد أتعب من بعده"[۸]

بے شک میں نہیں جانتا کہ میں نے اپنی آل کے لیے اس اونٹنی اور غلام جو کہ مسلمانوں کی تلواروں کا زنگ اتارتا اور ہماری خدمت کیا کرتا تھا کے علاوہ کوئی چیز چھوڑی ہو پس جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو یہ مال عمر فاروق کے سپرد کر دینا۔ جب میں یہ مال ان کے پاس لے کر گئی تو آپ نے کہا کہ ابو بکر پر اللہ تعالی رحم فرمائے انہوں نے اپنے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔

ایک اور روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: "والله ما ترك أبو بكر ديناراً ولا درهما"[۹] اللہ کی قسم حضرت ابو بکر صدیق نے اس دنیا سے جاتے وقت کوئی درھم اور دینار نہیں چھوڑا۔ ی بنا پر حضرت ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطی (م بعد از ۳۲۰ھ) نے فرمایا کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلے تصوف کا راز حضرت ابو بکر صدیق نے فاش کیا جب آپ اپنی تمام مملوکات سے دستبردار ہو گئے۔[۱۰]

حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش علی ہجویری (۴۶۵ھ) نے حضرت ابو بکر صدیق کو مسلک تصوف کا امام قرار دیا اور مشائخ طریقت اور صاحبان علم وعرفان میں آپ کو مقدم رکھا آپ کے بارے میں بھی فرمایا کہ مشائخ طریقت آپ کی روایت و حکایت کم ہونے کی وجہ سے آپ کو ارباب مشاہدہ کا سردار مانتے ہیں جس کی دلیل وہ روایت ہے کہ آپ رات کے وقت جب نماز پڑھتے تو قرآن کریم آہستہ پڑھتے اور حضرت عمر فاروق بلند آواز سے پڑھتے۔ رسول اکرم حضرت ابو بکر

صدیق سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو تو آپ نے عرض کیا "إني لأسمع من اناجی" بے شک میں اس ذات کو سناتا ہوں جس سے میں راز کی بات کہہ سکتا ہوں اس لیے میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے غائب نہیں اور اس کی شنوائی کے نزدیک آہستہ اور زور سے بولنا دونوں برابر ہیں۔ حضرت عمر سے جب رسول اکرم ﷺ نے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا "او قظ الوسنان امے النائم واطرہ الشیطان"(۱۱) میں سوتے کو جگاتا اور شیطان کو ہٹاتا ہوں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کی یہ بات آپ کے مجاہدہ کا پتہ دیتی ہے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بات ان کے مشاہدہ کی خبر دیتی ہے اور مقام مجاہدہ مقام مشاہدہ کے مقابلے میں سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱۲)

شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ مقام مشاہدہ(۱۳) ارباب تمکین، ارباب الیقین اہل حق اور اہل علم کے لیے ہے۔(۱۴)

حضرت ابو بکر صدیق نے اللہ تعالی سے دنیا کی فراخی کی دعا لیکن ساتھ ہی اس سے محفوظ رکھنے کی التجا کے اسے اس کی راہ میں خرچ کرنے کی درخواست بھی اور یہ مقام شکر، صبر اور فقر اختیاری ہے۔

حضرت شیخ سہروردی نے اپنے اس عقیدہ کو بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا رتبہ انبیاء علیہ السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و مقدم ہے اور یہ جائز نہیں کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے کیونکہ آپ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم رکھا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالی بندہ کو کمال صدق پر فائز کر کے عزت و منزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندہ صادق منتظر رہتا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے، اگر فرمان آئے فقیر ہو جا تو وہ فقیر ہو جاتا ہے اور فرمان آئے امیر ہو جا تو امیر بن جاتا ہے، اس میں وہ اپنے تصرف واختیار کو کام میں نہیں لاتا۔ آپ نے ابتداء میں بھی ویسی ہی تسلیم و رضا کو اختیار فرمایا جس طرح انتہا میں اختیار فرمایا۔ صوفیہ نے ترک دنیا اور حرص و منزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترک ریاست کی تمنا کو اس لیے پسند کیا کہ دین میں حضرت صدیق اکبر تمام مسلمانوں کے امام عام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیہ کے امام خاص۔(۱۵)

آپ سے تصوف کے ان خصائص کو حضرت سلمان فارسیؓ نے اخذ کیا اور ان سے اس طریقہ کو حضرت ابو بکر صدیق کے پوتے حضرت قاسم بن محمد[۱۶] نے حاصل کیا۔ ان کے بعد یہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادق سے آگے بڑھا۔

حضرت امام جعفر صادق (مجمع البحرین)

حضرت امام جعفر صادق کی ولادت ۸۰ھ کو ہوئی علم باطن میں آپ کا انتساب اپنے والد حضرت محمد باقر سے، ان کا انتساب اپنے والد حضرت زین العابدین سے ان کا حضرت حسین اور ان کا انتساب اپنے والد حضرت علی المرتضی سے تھا۔

دوسری طرف آپ کا انتساب باطنی اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ سے تھا اس لیے آپ کا یہ فرمان معروف ہے: "ولدنی ابو بکر مرتین" ابو بکرؓ سے میری پیدائش دو بار ہوئی ہے۔ یعنی پہلی ولادت ظاہری کہ میرے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں اور دوسری ولادت معنوی کہ علم باطن بھی میں نے اپنے نانا سے حاصل کیا ہے۔[۱۷]

اسی نسبت صدیقی کے بارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی مکاشفات عینیہ کے اول مکاشفہ میں فرماتے ہیں:

"بعد از حضرت صدیق این نسبت بسلمان فارسی رسید و از راہ درونی بہ مقصود پیوست۔ بعد ازاں این نسبت بعینہ آنحضرت قاسم بن محمد ابی بکر رسید بعد ازاں آن نسبت بہ حضرت امام جعفر صادق۔ از حضرت قاسم رسید کہ پدر مادر ایشان بود انچہ حضرت امام فرمودہ اند کہ "ولدنی ابو بکر مرتین "، اشار بائیں کہ دو ولایت است"[۱۸] حضرت صدیق اکبر سے یہ نسبت حضرت سلمان فاری کو پہنچی اور اندرونی راہ سے مقصود تک پہنچے پھر یہی نسبت بعینہ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کو پہنچی پھر یہی نسبت امام قاسم سے امام جعفر صادق کو حاصل ہوئی۔ حضرت امام قاسم بن محمد حضرت جعفر صادق کے نانا تھے چونکہ حضرت جعفر صادق نے اپنے باپ اور دادا سے بھی نور حاصل کیا اور وہ سلوک فوقانی سے مناسبت رکھتا تھا اس لیے جذب کی تحصیل کے بعد سلوک فوقانی کے ذریعہ مقصود کو پہنچے اور دونوں نسبتوں کے جامع ہو گئے پھر یہ نسبت حضرت امام جعفر سے بطریق امانت سلطان العارفین حضرت بایزید کو روحانیت کے راستے سے جو اویاولیاء کا طریقہ ہے پہنچی۔[۱۹] اسی بات کا ذکر مکتوبات امام ربانی میں اس طرح منقول ہے:

جذبہ کی کئی اقسام میں ایک وہ قسم ہے جس کے طریق سے حضرت ابو بکر صدیق مقصود تک پہنچے اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ بھی اسی جذبہ اور اسی طریق سے مطلب تک پہنچے ہیں اور حضرت صدیق کمال اخلاص کے باعث جو آنحضرت سلیم کے ساتھ رکھتے تھے اور ان میں فانی تھے۔ باقی تمام اصحاب رضوان اللہ تعالی عنہم اجمعین میں سے اسی خاص طریق کے ساتھ مخصوص ہوئے اور جذبہ سلوک کی یہی نسبت اس خصوصیت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق تک پہنچی اور چونکہ حضرت امام جعفر صادق کی والدہ ماجدہ حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد کرام سے تھیں اس لیے ان دونوں اعتباروں کے لحاظ سے حضرت امام نے فرمایا کہ "ولدنی ابو بکر مرتین" کہ مجھے ابو بکر نے دوبار جنا ہے اور چونکہ حضرت امام کو اپنے بزرگ آباؤاجداد کی طرف سے جدا نسبت حاصل تھی اس لیے ان دونوں طریقوں کے جامع ہوئے اور اس جذبہ کو ان کے سلوک کے ساتھ جمع کیا اور اس سلوک سے مقصود تک پہنچے۔ جس کا ایک طریق وقوف عددی ہے۔[۲۰] اس سلوک کی مثال اس طرح ہے جیسے خانہ جذبہ سے نقب کھود کر مطلوب تک پہنچا دیں۔ حضرت امام جعفر صادق نے جذبہ (جس کی بنیاد محبت پر ہے) اور سلوک آفاقی (جس کا منشا علوم معارف ہیں) کے جامع ہونے کے اعتبار سے بہت سا حصہ حاصل کیا اس کے بعد آپ نے اس نسبت مرکبہ کو امانت کے طور پر سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے حوالے کیا۔[۲۱]

حضرت امام جعفر صادق سے یہ فیض حضرت بایزید بسطامی کے اویسی طریق سے حاصل کیا۔ اس طرح سلسلہ طیفوریہ کو نسبت صدیقی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی اہل بیت نسبی اور حضرت علی المرتضی کے خاندان سے بھی نسبت ہوگئی جو کہ اس سلسلہ عالیہ کی خصوصیت ہے۔ حضرت بایزید بسطامی ایرانی سے اس سلسلہ عالیہ کو طیفوری نسبت ملی اور اس فکر کو بسطامی یا خراسانی فکر کا نام بھی دیا گیا جس میں ملامت و سکر، جذب، عزیمیت، غلبہ، خلوت، اویسیت اور علیحدگی کے عناصر کا غلبہ تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق سے سلسلہ صدیقیہ (جواب سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے معروف ہے) کا آغاز ہوا جب کہ حضرت علی المرتضیٰ سے سلسلہ جنیدیہ[۲۲] کا آغاز ہوا جس سے موجودہ سلسلہ قادریہ، سہروردی اور چشتیہ کا آغاز ہوا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو تاریخی حوالے سے چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔ سلسلہ صدیقیہ: اس سے مراد اس سلسلہ کا حضرت ابو بکر صدیق سے لے کر حضرت بایزید بسطامی تک کا دور ہے۔

۲۔ سلسلہ طیفوریہ حضرت بایزید بسطامی (م۲۲۱ھ) سے حضرت خواجہ یوسف ہمدانی (م۴۴۱ھ) سلسلہ

۳۔ سلسلہ خواجگانی: حضرت یوسف ہمدانی تک اس سلسلہ کا با قاعدہ نام اور منفرد تنظیم بھی اس لیے حضرت یوسف ہمدانی تک یہ حصہ ''حصہ ذہبیہ'' میں شمار ہوتا اور حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی (م۵۷۵ھ) سے حصہ تربیہ کا آغاز ہوا۔ حضرت خواجہ عارف غجدوانی سے خواجہ سید امیر کلال (م۷۷۲ھ) تک پھر یہ سلسلہ خواجگانی کہلایا۔[۲۳]

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ: حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ (م۷۹۱ھ) سے اس سلسلہ کا نام سلسلہ نقشبندیہ ہوا۔ اب ان ادوار کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

۲۔ سلسلہ طیفوری

اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے خصائص سے نوازا جن کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ اس حوالے ایک قابل ذکر بات یہ ہے جس طرح سلسلہ انبیاء کرام میں پہلے ایک رسول آتا بعد میں کچھ عرصہ مختلف انبیاء کرام اس رسول کی تعلیمات کی ہی ترویج کرتے اسی طرح سلسلہ ذھبیہ میں بھی حضرت ابو بکر صدیق سے لے کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تک تیس عظیم شخصیات اس دنیا میں تشریف لائیں لیکن ان میں سے جن بزرگان نے اس سلسلہ عالیہ کی تعلیمات کو زیادہ فضیلتوں والا بنایا ان میں حضرت ابو بکر صدیق (م۱۳ھ)، حضرت امام جعفر صادق (م۱۴۸ھ)، حضرت بایزید بسطامی (م۲۲۱ھ)، حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی (م۴۶۹ھ)، حضرت خواجہ عبد الخالق مجید وانی (م۵۷۵ھ)، حضرت خواجہ مودانجیر فغنو (م۳۴۳ھ)، حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری (م۷۹۱ھ) حضرت خواجہ علاؤالدین عطار (۸۰۲۴ھ)، حضرت خواجہ عبید اللہ احراز (م۸۹۵ھ)، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی (م۹۷۱ھ) اور حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی (۱۰۳۴۴ھ) زیادہ اہم ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی

ابو یزید طیفور بن عیسی بن آدم بسطام کی طرف سلسلہ طیفوریہ منسوب ہے، حضرت بایزید بسطامی کا شمار تصوف کے دس آئمہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے دور میں اگرچہ کئی معروف صوفیہ تھے جن میں حضرت ذوالنون مصری (م۲۴۵ھ) معروف ہیں۔[۲۴]

اگر چہ حضرت بایزید بسطامی (م۲۶۱ھ) کی با قاعدہ ارادت شیخ ابو علی گردی بن احمد الد قائع سے تھی لیکن ایک سو تیرہ سال کے فرق کے باوجود آپ کی روحانی تربیت حضرت امام جعفر صادق (م۱۴۸ھ) سے اولی طریقہ سے ہوئی۔اس طرح آپ کا شجرہ طریقت یوں تھا کہ بایزید بسطامی حضرت امام جعفر بن صادق سے اور امام جعفر صادق اپنے والد ثمد باقر سے، وہ اپنے والد حضرت علی بن حسین بن علی (م۱۴۸ھ) سے اویسی طریقہ سے فیض یافتہ تھے۔امام جعفر صادق اپنے والد کے علاوہ حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق (م۱۰۲ھ)، حضرت قاسم حضرت سلمان فارسی (م۳۳ھ) سے اور حضرت سلمان حضرت سید نا ابو بکر صدیق سے فیض یافتہ تھے۔اس سلسلہ کا آغاز حضرت ابو بکر صدیق سے مدینہ منورہ میں ہوا لیکن اس کی ترویج ایران و بخارا میں ہوئی۔ چونکہ اس دور میں اس سلسلہ تصوف کی تعلیمات با قاعدہ منظم نہیں تھیں اور نہ ہی اس ضمن میں حضرت بایزید بسطامی کی کوئی تصنیف تھی بلکہ مختلف کتب تصوف میں آپ کے اقوال پیش کیے گئے ہیں لہٰذا ان میں تصوف سے متعلق بعض اقوال تحریر کیے جاتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں سال میں مجھے معرفت الٰہی تک رسائی ہوئی اس دوران یہ بھی واضح ہوا کہ بندہ پر علم اور اس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز دشوار نہیں۔(۲۵) مولانا عبد الرحمن جامیؒ کے نزدیک آپ کے دل میں آپ کے شیخ کا اتنا ادب تھا کہ وصال سے پہلے آپ نے وصیت کی کہ ان کی قبر ان کے شیخ کی قبر سے نیچی رکھی جائے۔ آپ شریعت میں کسی امام کے مقلد نہیں تھے بلکہ صاحب قیاس واجتہاد تھے۔

عزیمت کے بارے آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالی کا ذکر تمیں سال سے اس کی عظمت کی وجہ سے کلی کر کے شروع کرتا ہوں۔(۲۶)

مجاہدہ

حضرت بایزید فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ تک توحید باری تعالی میں غور کرتا رہا اور میں سال میں معرفت الٰہی تک رسائی ہوئی۔ایک اور قول میں فرمایا کہ میں نے تمہیں سال مجاہدہ کیا لیکن میں نے سب سے زیادہ علم اور اس کی متابعت کو سخت پایا، اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو تھک جاتا۔(۲۷) یعنی اختلافی اقوال و آراء نے سہولت پیدا کر دی۔

مخالفت نفس

آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے اللہ تعالی کو خواب میں دیکھا اور عرض کی "کیف الطریق إلیك ؟" تیرے تک پہنچنے کا کیا طریق ہے؟ اس پر اللہ تعالی نے فرمایا:"اترك نفسك" اپنے نفس کو چھوڑ دے۔ حضرت احمد بن خضرو بلخی (م ۲۴۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب اللہ تعالی کی ذات والاصفات کو دیکھا اور آپ نے فرمایا: اے احمد مجھ سے کوئی میری رضا طلب کرتا ہے لیکن میرا بایزید مجھ سے میری ذات کا طالب ہے۔[۲۸]

عاجزی

ایک شخص نے حضرت بسطامی سے پوچھا کہ مجھے آپ کے بارے فضا میں اڑنے کا معلوم ہوا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے مردار کھانے والا پرندہ بھی تو فضا میں اڑتا ہے مومن تو اس سے اشرف واکرم ہے۔ آپ نے بھی فرمایا کہ پانی پر چلنا تعجب خیز امر نہیں کیونکہ ایک بہت بڑی جماعت پانی پر چلتی ہے اس کے باوجود اللہ تعالی کے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔[۲۹]

پابندی شریعت

آپ فرماتے ہیں کہ کرامات کی وجہ سے ہوا میں اڑنے والے شخص سے بھی دھوکہ مت کھاؤ اصل تم اس کے شریعت پر عمل پیرا ہونے کو دیکھو۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ آپ تصوف کے دس مشہور اماموں میں سے ایک تھے اور آپ سے پہلے علم تصوف کے حقائق سے استنباط کا اتنا ملکہ کسی کو حاصل نہیں ہوا تھا جتنا آپ کو حاصل ہوا تھا۔[۳۰]

حضرت بایزید کے بارے حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں "ابو یزید منا بمنزل جبریل من الملائیه"، صوفیہ میں ابویزید کی مثال یوں ہے جیسے فرشتوں میں جبرمیں علیہ السلام کی۔[۳۱] آپ صاحب غلبہ اور صاحب شکر (فنافی الذات) تھے یعنی شوق الہی کے غلبہ و مدہوشی میں اور شکر میں آپ محور ہے۔ غلبہ اور شکر کے بارے حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ مجاہدے ہر لحاظ سے عمدہ اور بہتر ہیں لیکن غلبہ اور سکر دونوں انسان کے کسب واختیار میں نہیں ہیں۔ حضرت ابویزید کے نزدیک سکر کو تو پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حالت محو میں تھے اس لیے ان کے فعل کو اللہ تعالی نے انہی کی طرف منسوب کیا

اور فرمایا: ”قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوْتَ“(سورۃ البقرۃ:۲۵۱) داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت شکر میں تھے اس لیے آپ کے افعال کو اللہ تعالی نے اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا:

”وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى“(سورۃ الانفال:۱۷) جب آپ نے اپنی مشت خاک چھینکی وہ آپ نے نہیں چھینکی بلکہ اللہ نے چھینکی۔ اویسیت، ملامت، شکر، جذب، غلبہ، خلوت اور علیحدگی کے عناصر کا غلبہ بسطامی طریق تصوف تھا۔ صوفیہ اور مشائخ نے بسطامی طریق تصوف کو ہمیشہ اعلی مقام دیا اور حضرت بایزید کو سلطان العارفین کا لقب دیا۔(۳۲)

حضرت بایزید پر شکر کا غلبہ تھا اس لیے اس حالت میں بعض ایسے کلمات آپ کے منہ سے نکلے جن پر علماء ظاہر کو اعتراض ہوا۔ ان میں سے چند یہ ہیں: ”سبحانی ما أعظم شانی“یعنی میں پاک ہو اور میری شان کتنی بلند ہے۔ ”میرے لیے تیری اطاعت، تیرے لیے میرے اطاعت سے بڑھ کر ہے۔“

”میں ہی عرش ہوں میں ہی اس کا پایہ“، ”میں لوح محفوظ ہوں“ میں نے کعبہ کو اپنے ارد گرد طواف کرتے دیکھا“، ”اللہ کی قسم قیامت کے روز میرا جھنڈا حضور کے جھنڈے سے بہت بڑا ہو گا۔“(۳۳)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے یہ کلمات عام لوگوں کے سامنے نہیں کہے بلکہ خلوت میں سُکر کے دوران آپ کے منہ سے نکلے اور آپ کے چند ساتھیوں نے انہیں سنا۔ اس سلسلہ کے بعض تصورات کے بارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) نے بہت سی اصلاحات کیں۔(۳۴)

۳۔ اویسی طریق

اس طریق سے مراد یہ ہے کہ بعض اولیاء کرام نے بیعت تو اس بزرگ سے کی جو اس دنیا میں حیات تھے لیکن خصوصی تربیت کسی ایسے بزرگ کی طرف سے کی گئی جو اس دنیا میں حیات نہیں تھے بلکہ کئی سال پہلے اس دنیا سے ان کا انتقال ہو چکا تھا جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی نے اپنے بارے میں فرمایا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے بھی بطریق اولی حضرت بایزید بسطامی سے اکتساب

فیض کیا اس لیے کہ آپ کی ولادت حضرت بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ) کے وصال بعد ہوئی اور آپ کا وصال ۴۲۵ھ کو ہوا۔ آپ کی ارادت کا سلسلہ اس طرح تھا۔

ابوالحسن علی بن جعفر کا انتساب حضرت ابوالمظفر مولی ترک طوسی سے ان کا اعرابی بایزید عشقی سے اوران کا خواجہ مد مغربی سے اور ان کا حضرت بایزید بسطامی سے تھا۔

۴۔ طیفوری / عراقی اور جنیدی طریقہ کا امتزاج

حضرت بایزید بسطامی کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانی (م ۴۲۵ھ) نے بطریق اویسیت آپ سے کسب فیض حاصل کیا اور آپ کے بعد اس سلسلہ کی مجاز شخصیت حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی (م ۴۶۹ھ) نے ایک طرف حضرت ابوالحسن خرقانی سے اکتساب فیض کیا اور دوسری طرف آپ تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادی سے بھی فیض یافتہ ہوئے، اس طرح آپ نے اس سلسلہ میں جنیدی یا عراقی رجحان کو بھی شامل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ کے صوفیہ جہاں جذب، غلبہ اور احوال کے ذریعے سلوک کی منازل جلد طے کرتے وہاں ہوش اور کتاب وسنت کی سختی سے پیروی بھی ان کے مزاج کا جزو بن گئی مزید یہ کہ اس سلسلہ میں جنیدی فکر جس میں محو، پابندی شرع، جلوت، رفاقت، موجود مرشد کی تربیت بھی شامل ہو گئی۔۔ بالآخر یہ سلسلہ انہی خصوصیات کی بنا پر تصوف کی دنیا میں منفرد اور نمایاں ہوتا گیا۔

۵۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تربیت کا آغاز

بقول صاحبزادہ عبدالرسول حضرت خواجہ یوسف ہمدانی (م ۵۳۵ھ) تک تمام مشائخ سلسلہ نقشبندیہ کے حصہ ذہبیہ میں شمار ہوتے ہیں یعنی اس وقت تک اس سلسلہ کا نام اور منفرد تنظیم بھی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے حصہ تربیت کا آغاز ہوتا ہے، آپ سے یہ سلسلہ خواجگانیہ کہلانے لگا۔ آپ سے حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری تک سات نامور مشائخ کو آج بھی ہفت خواجگان نقشبند کہا جاتا ہے۔

حضرت عبدالخالق حضرت امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) کی اولاد سے ہیں، آپ کے والد کا نام عبدالجمیل تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے شیخ عبدالجمیل کو بشارت دی کہ تیرے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام عبدالخالق رکھنا اور اس کی تربیت ہم کریں گے اور اپنی نسبت سے بہرہ مند کریں گے۔ آپ کی والدہ سلطان روم (موجودہ ترکی) کی نسل سے تھیں۔ آپ روم میں رہتے تھے لیکن

حوادثات زمانہ کے پیش نظر آپ بخارا کے متصل ایک قصبہ غجدوان میں منتقل ہو گئے اور وہاں ہی آپ متولد ہوئے۔[۳۵] اس دوران یعنی ۱۱۷۴ء سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا عہد شروع ہو چکا تھا۔ حضرت غجدوانی نے طریقہ نقشبند میں میں ذکر خفی کا اجراء کیا جس کا پس منظر یہ ہے:

آپ بخارا کے ایک مدرسے میں زیر تعلیم تھے جہاں آپ حضرت مولانا صدر الدین سے تفسیر پڑھتے تھے۔ جب آپ سورت الاعراف کی آیت ۵۵ ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ'' (تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خفیہ طریقے سے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا) پر پہنچے تو آپ نے اپنے استاد صاحب سے عرض کیا کہ اللہ تعالی نے خود جو خفیہ طور پر پکارنے کا فرمایا ہے اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس لیے کہ اگر ذاکر بلند آواز سے ذکر کرے یا ذکر کرتے وقت اپنے اعضاء کو حرکت دے تو ہر شخص اس سے آگاہ ہو جائے گا اور ذکر خفیہ نہ رہے گا اور اگر دل میں ذکر کرے تو پھر شیطان اس سے واقف ہو جائے گا کیونکہ حدیث مبارک میں ہے ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم[۳۶] بے شک شیطان انسانوں کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے) پھر خفیہ طریقے سے ذکر کیونکر ممکن ہے؟ یہ سن کر آپ کے استاد صاحب نے کہا کہ یہ علم لدنی ہے اگر حق تعالی کو منظور ہوا تو اہل اللہ میں سے کوئی شخص آپ کو ملے گا جس سے آپ کو اس کا علم ہو جائے گا۔

اس کے بعد آپ حضرت خواجہ ہمیشہ کسی مرد کامل کی تلاش میں رہتے۔ ایک روز آپ اپنے باغ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ایک ضعیف العمر شخص آئے، حضرت نے ان کی بڑی تعظیم وتوقیر کی اس بزرگ نے کہا اے نوجوان! میں تم میں بزرگی کے آثار دیکھتا ہوں تو نے کسی سے بیعت کی ہے یا نہیں یہ سن کر آپ بولے میں مدت سے کسی ایسے شخص ہی کی تلاش میں ہوں جس پر اس بزرگ نے فرمایا: میں خضر ہوں میں نے تجھے اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ میں ایک سبق مجھے بتاتا ہوں اس پر مداومت کرنا تیرے کام میں کشائش ہو گی۔ آپ نے فرمایا: حوض میں غوطہ مار اور دل سے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسی دوران بخارا حضرت یوسف ہمدانی بھی تشریف لائے جن سے باقاعدہ بیعت کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا۔ حضرت یوسف ہمدانی کا طریقہ ذکر بالجبر کا تھا لیکن آپ سے حضرت یوسف نے فرمایا کہ آپ اسی طریقہ کو جاری کیجیے جو حضرت خضر علیہ السلام فرما کے گئے ہیں۔ اس کے بعد ذکر کا یہ طریقہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مزاج کا حصہ بن گیا اور سلسلہ عالیہ کے مشائخ اسی پر کاربند ہو گئے۔

حضرت عبد الخالق نے سالک کی تربیت کے لیے چند قواعد مقرر کیے جسے بعد میں آپ نے ایک وصیت نامہ کی صورت میں اپنے خلیفہ حضرت خواجہ اولیاء کبیر اکلاں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر لکھوایا۔ اس وصیت نامہ میں آپ نے فرمایا کہ تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ، وظائف اور عبادات کی پابندی رکھو، اپنے احوال کی نگہبانی کرو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، والدین اور مشائخ کے حقوق کا خیال رکھو۔ اس سے انسان رضائے الٰہی سے مشرف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاؤ تاکہ وہ تمہارا حافظ رہے، قرآن مجید کی تلاوت مدبر، خوف اور گریہ سے لازم پکڑو خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ، زبانی ہو یا ناظرہ، تمام امور میں قرآن مجید کی پناہ لو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر قرآن پاک حجت ہے۔ علم حدیث اور فقہ کی طلب سے ایک قدم بھی ڈور نہ ہو، جاہل صوفیوں سے دور ہو کیونکہ وہ دین کے چور اور مسلمانوں کے رہزن ہیں۔ اہل سنت کے مذہب اور ائمہ سلف کے مسلک پر قائم رہو کیونکہ نئی پیدا ہونے والی باتیں گمراہی ہیں۔

عورتوں، نوجوانوں، بدنتیوں اور امیروں سے صحبت نہ رکھو، فقیروں سے صحبت رکھو ورنہ خلوت نشیں رہو۔ حلال کھاؤ اور حرام سے بچو، حلال پہنو تاکہ عبادت کی لذت پاؤ حق تعالیٰ کی جلالت سے ڈرتے رہو، رات دن نماز پڑھو اور جماعت ترک نہ کرو، دنیا کی خاطر امام اور مؤذن نہ ہونا کسی کی طرف سے اپنی مذمت پر غمگین نہ ہو اور کسی کی مدح سرائی سے مغرور نہ ہو، لوگوں سے حسن سلوک کے ساتھ معاملہ کرو۔ ہر حال میں سب سے ادب کے ساتھ رہو، تمام مخلوق پر رحم کرو، قہقہہ مار کر نہ ہنسو اور زیادہ رویا کرو، قہقہہ غفلت کا سبب ہوتا ہے اور دل کو مردہ کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ مجھے معلوم ہوا اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ رویا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہ ہو اور نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو بلکہ خوف و امید کے درمیان زندگی گزارو یہی سالکوں کا مقام ہے۔

اے فرزند! شیخ اپنے مرید کے لیے باپ سے بھی زیادہ مشفق ہوتا ہے اس لیے کہ مرید کو قرب الٰہی میں پہنچا دیتا ہے۔ اگر ہو سکے تو نکاح نہ کرو اس لیے کہ نکاح کے بعد انسان دنیا کا طالب ہو جاتا ہے جو انسان کو برباد کر دیتی ہے۔، ہمیشہ دل میں آخرت کا خیال رکھو ریاست کی خواہش نہ کرو اس لیے کہ ریاست کے خواہشمند کو سالک طریقت نہیں کہتے، اکثر روزہ رکھو کیونکہ روز نفس کی سرکوبی کرتا ہے۔ فقر میں پاکیزہ، سبک بار، دیانتدار، پرہیز گار اور باورع (خوف الٰہی میں ہو اور اللہ کی راہ میں حلیم اور ثابت قدم رہو۔ مشائخ کی جان و مال سے خدمت کرو اور ان کے دل کا

خیال رکھو خلاف شرع حکم کے علاوہ ان کا انکار نہ کرو، اسی میں نجات ہے۔ لوگوں سے مت مانگو اور نہ اپنے لیے ذخیرہ کرو اللہ تعالی کی ضمانت پر اعتماد کرو جو یہ فرماتا ہے: اے بنی آدم میں ہر روز تیرے لیے روزی پہنچاتا ہوں تو اپنے آپ کو تکلیف مت دے۔ توکل کے بھروسہ پر قدم رکھو۔ بخل اور حسد سے بچ کر رہو کیونکہ بخیل اور حاسد قیامت کے روز جہنم میں جائیں گے۔ اپنے ظاہر کو آراستہ نہ کرو اس لیے کہ آرائش ظاہری باطن کی خرابی کا باعث بنتی ہے۔ غیر ضروری باتوں سے زبان بند رکھو اور لوگوں کو نصیحت کرو، کم کھاؤ کھانے کی شدید خواہش پر کھانا کھاؤ، جب تک کلام کی ضرورت نہ ہو کلام نہ کرو، جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو مت سوؤ اور پھر جلد اٹھ جاؤ، سماع میں زیادہ نہ بیٹھو اس لیے کہ تماع سے نفاق پیدا ہوتا ہے اس کی زیادتی دل کو مئر وہ کرتی ہے۔ وہ شخص جس میں میں باتیں ہوں اس سے دوستی کرو:

فقیری کو امیری پر ترجیح دے علم کو دنیا کے کاموں پر ترجیح دے۔ ذلت کو عزت سے بہتر جانے علم ظاہر و باطن کا بیناہو۔ موت کے لیے تیار ہے۔

اے میرے فرزند! دنیا پر مغرور نہ ہو، خلوت میں تنہا ہو کر خوف خدا سے شکستہ دل ہو تا کہ اللہ تعالی کی بخشش میں غرق ہو جاؤ۔ دنیا میں مسافر کی طرح زندگی بسر کرو اور دنیا سے اس طرح مجرد جاؤ کہ قیامت کے دن یہ معلوم نہ ہو سکے کہ تم کسی گروہ سے تھے۔ جس شخص میں یہ باتیں ہوں گی اس کا پیر ہونا مسلم ہے اور جو شخص ان باتوں پر عمل پیرا ہو گا وہ ان شاءاللہ منزل مقصود کو پہنچے گا۔ ان نصائح کے بعد آپ نے اس وصیت نامہ میں سالک کے لیے بی اصول تحریر کرائے:

ا۔ ہوش در دم

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اس بات سے ہوشیار ہے کہ اس کا ہر سانس یادالی کے ساتھ ہو نہ کہ غفلت میں یعنی سانس کے اندر آنے اور باہر جانے کے دوران اس کی توجہ اللہ تعالی کی طرف رہے اور اس کا کوئی سانس بھی غفلت کی وجہ سے ضائع نہ ہونے پائے۔

۲۔ نظر در قدم

سالک کو چاہیے کہ راہ چلتے وقت نظر اپنے پاؤں کی پشت پر رکھے، ہر وقت اس کی نظر سامنے ہو، وہ بلاوجہ دائیں بائیں اور ادھر ادھر نہ دیکھے کیونکہ اس سے باطن میں فساد کا اندیشہ ہے اور مقصد کے حصول میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ گویا ہوش در دم سے اندرونی انتشار سے بچنا مقصود ہے

اور نظر بر قدم سے بیرونی خلفشار سے دور رہنے کی سعی ہے۔ روحانی سطح پر اس کلمہ کا مطلب یہ بھی لیا جاتا ہے کہ سفر باطن طے کرنے میں تیزی آئے یعنی سالک کی جہاں نظر پڑے وہیں اس کا قدم بھی پہنچے اور اس کی باطنی رفتار دور نگاہی کا ساتھ دے۔

۳۔ سفر در وطن

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی صفات بشریہ سے الگ ہو کر صفات ملکیہ کی طرف جائے یعنی بشری تقاضوں کے تحت جو سفلی صفات انسانی فطرت میں موجود ہیں انہیں ترک کر کے اپنے اندر علوی (بلند) صفات پیدا کی جائیں۔ سلوک طریقت کے ضمن میں اس کلمہ کی تشریح یوں بھی کی جاتی ہے کہ سالک اپنے مطلوب کو اپنے اندر تلاش کرے اسے سیر انس بھی کہتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کا ہی خاصا ہے جب کہ دوسرے طریق مطلوب کو اپنے سے باہر تلاش کرتے ہیں جسے سیر آفاقی کا نام دیا جاتا ہے۔ سلسلہ نقشبندی میں سلوک سیر نفسی سے شروع کرتے ہیں اور سیر آفاقی پر ختم کرتے ہیں جبکہ دوسرے سلاسل سیر آفاقی سے شروع کر کے سیر نفسی پر ختم کرتے ہیں۔

۴۔ خلوت در انجمن

خلوت در انجمن سے مراد یہ ہے کہ سالک دنیاوی کاموں اور مجالس میں مصروف ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر ای کیفیت پیدا کیے رکھے کہ گویا وہ تنہائی میں اللہ کی طرف متوجہ ہے یعنی اپنی نشست و برخاست، کھانے پینے، بات چیت وغیرہ کے دوران سالک کا قلب اللہ تعالی کی طرف سے غافل نہ رہے گویا وہ بظاہر خلائق کے ساتھ اور باطن اپنے مطلوب کے ساتھ رہے۔ شروع میں خلوت کی صورت بہ تکلف پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت حضرت خواجہ عبد الخالق کے جانشین خواجہ اولیاء کبیر نے یوں کی ہے کہ سالک اگر بازار میں بھی جائے تو ذکر خفی میں استغراق کے سبب کوئی آواز نہ سننے پائے۔ حضرت عبید اللہ احرار (م ۸۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ذکر میں مشغول رہنے کی صحیح کوشش اور مجاہدہ کیا جائے تو پانچ چھ روز میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مشائخ نقشبندسی سالک کو چلہ کرانے کی بجائے اسی خلوت در انجمن پر زور دیتے ہیں کیونکہ اس میں دائمی چلہ کی کیفیت موجود ہے۔

۵۔ یاد کرد

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالی کی یاد دل میں رہے اور ذکر جاری رہے خواہ یہ ذکر زبانی ہو یا دل میں کیا جائے۔ بقول حضرت احرار کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ کی تلقین کے مطابق ذکر میں بہ تکلف مشغول رہے یہاں تک کہ مرتبہ حضوری حاصل ہو جائے۔

۶۔ باز گشت

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر کرتے وقت خاص وقفے کے بعد یہ الفاظ دہرائے الٰہی میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے مجھے اپنی محبت اور معرفت عطا فرما اس سے ذکر کر کے اصل مقصود کی طرف توجہ لوٹ آتی ہے اور دل ذہنی انتشار سے محفوظ رہتا ہے۔

۷۔ نگاہ داشت

اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ قلب کو خطرات وظنون اور خیالات نفس سے پاک رکھا جائے تاکہ پورے انہاک کے ساتھ ذکر کا شغل جاری رہے۔

۸۔ یادداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک میں ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ الفاظ وخیال کے بغیر وہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گویا اسے دائمی حضوری و آگہی حاصل ہو جائے۔ جب سالک اس حال کو پہنچ جاتا ہے تو اسے اپنے وجود کا احساس بھی نہیں رہتا، اس حالت کو مقام فنا بھی کہتے ہیں۔

تعلیمات خضری

سلسلہ عالیہ نقشبندی کو یہ فضلیت حاصل ہے کہ اس سلسلہ کے متعدد بزرگوں کو حضرت خضر علیہ السلام نے ملاقات کا شرف بخشا اور تزکیہ نفس کے طریقہ سے متعلق راہنمائی فرمائی:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کو ذکر خفی کا طریقہ حضرت خضر علیہ السلام نے ہی بتایا۔ خواجہ محمود انجیر فغنوی کے متعلق مولانا بدرالدین سرہندی نے لکھا ہے کہ خواجہ علی رامینی فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ اس زمانہ کے مشائخ میں سے ایسا کون بزرگ ہے جو استقامت کا مرتبہ رکھتا ہو تاکہ دست ارادت سے اس کا ہاتھ پکڑوں اور اس کی پیروی کروں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس صفات کے بزرگ محمود انجیر فغنوی ہیں۔ حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی کو بھی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اور انہی کے ارشاد پر آپ حضرت خواجہ مودانجیر فغنوی کے مرید ہوئے۔ [۳۸]

حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت سید امیر کلال کی خدمت میں بخارا سے نسف جارہا تھا کہ راستے حضرت خضر علیہ السلام ایک سوار کی صورت میں نظر

آئے، ہاتھ میں چرواہوں کی طرح بڑی لکڑی تھی اور سر پٹوپی پہنے ہوئے تھے انہوں نے لکڑی سے مجھے مارااور ترکی زبان میں کہا کہ تم نے گھوڑے دیکھے ہیں، میں نے ان سے کوئی بات نہ کی، انہوں کئی بار میرا راستہ روکا اور پریشان کیا میں نے کہا کہ میں آپ کو جانتا ہوں کہ آپ خضر ہیں وہ 'رباقراول' تک تک میرے پیچھے آئے اور کہا ٹھہر جاؤ کچھ دیر پاس بیٹھ کر بات کریں مگر میں نے کوئی توجہ نہ دی جب میں حضرت امیر کے پاس پہنچا تو دیکھتے ہی فرمایا کہ راستے میں خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی مگر تم نے دھیان نہ دیا۔ میں نے کہا جی ہاں چونکہ آپ کی طرف متوجہ تھا اس لیے ان کی طرف دھیان نہ دے سکا۔ (۳۹)

حضرت مولانا درویش محمد فرماتے ہیں میں مولانا محمد زاہد ونشی سے بیعت سے پہلے پندرہ سال مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہا تنہائی میں ویرانی میں چلا جاتا اور خوراک و آرام سے بے نیاز ہو کر یادالہی میں مصروف رہتا۔ ایک دن بھوک کی شدت سے لاچار ہو گیا اور آسمان کی جانب منہ اٹھایا تو اچانک حضرت خضر علیہ السلام سامنے آئے اور فرمایا کہ اگر بر وقناعت مطلوب ہے تو خواجہ حمد زاہد کی خدمت حاضر ہو وہ تمہیں صبر و توکل سکھا دیں گے چنانچہ میں حسب ہدایت مولانا جو کہ میرے ماموں تھے کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی تربیت میں مرتبہ کمال کو پہنچ گیا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ایک روز صبح کے حلقہ میں حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام روحانیوں کی صورت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم عالم ارواح سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت عطا کی ہے کہ اجسام کی صورت اختیار کر کے وہ کام کریں جو جسموں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے جسمانی حرکات وسکنات اور جسدی طاعات وعبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی میں اس اثنا میں ان سے یہ بھی پوچھا کہ آپ امام شافعی کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم شریعتوں کے ساتھ مکلف نہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ اس دوران حضرت الیاس علیہ السلام نے کوئی بات نہ فرمائی۔ (۴۰)

ذکر بالجہر کا آغاز

ذکر خفی جس کا آغاز حضرت خواجہ عبد الخالق مجید وانی نے حضرت خضر علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق شروع کیا تھا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے گیارہویں بزرگ حضرت خواجہ محمود

انجیر فغنوی (م ۲۴۳ھ) نے طریقہ نقشبندی کی روش کے برعکس ذکر خفی کے ساتھ ذکر بالجبر کرنا بھی شروع کیا جو آپ کے خیال میں وقت کی مصلحت کا تقاضا تھا۔ آپ اس کے جواز میں فرماتے کہ ہمیں خواجہ عارف کی طرف سے اشارہ ہوا تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ طالبوں کو مصلحت کی بنا پر ذکر بالجبر اختیار کرنا پڑے گا اور اب وہ وقت آ گیا ہے۔ ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرنے کا یہ طریقہ حضرت خواجہ سید امیر کلال تک جاری رہا۔[۴۱]

حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ

آپ سلسلہ عالیہ کی پندرھویں شخصیت ہیں آپ نے پندرہ روز تک بارگاہ الٰہی میں سجدہ کی حالت میں رو رو کر یہ دعا کی کہ مجھے ایسا طریقہ عطا فرما کہ جس سے وصل حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول کر کے آپ کو ایسا طریقہ عطا فرمایا جو باقی طریقہ ہائے تصوف سے زیادہ قریب ہے اور ضرور وصل کرا دیتا ہے بشرطیکہ شیخ کامل اور مکمل ہو۔ آپ کے عہد میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ہی ترقی ہوئی:

(الف) آپ کی ارادت اگرچہ حضرت سید امیر کلال سے تھی لیکن حقیقتاً آپ حضرت عبد الخالق غجدوانی سے بطریق اویسی فیض یافتہ تھے۔

(ب) اولاً آپ نے سلسلہ عالیہ میں ذکر خفی کی ترویج فرمائی اس کے علاوہ آپ نے خواجہ عبد الخالق غجدوانی کے وصیت نامہ میں مذکور طریقت کے آٹھ اصولوں میں مزید ان تین اصولوں کا اضافہ فرمایا:

۱۔ وقوف زمانی

اس کا ایک مطلب تو ہوش در دم سے ملتا جلتا ہے یعنی سالک ہر وقت اپنے نفس اور سانس کی آمد و رفت سے واقف رہے اور خیال رکھے کہ ہر سانس حضوری میں گزر رہا ہے یا غفلت میں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے حال سے واقف رہے اور اپنے اوقات کا محاسبہ کرے، اگر اس کا وقت اطاعت میں بسر ہوا ہے تو شکر بجالائے اور اگر گناہ یا غفلت کی نذر ہو گیا ہے تو توبہ واستغفار کرے۔

۲۔ وقوف عددی

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک نفی اثبات کرتے وقت ذکر کی تعداد سے واقف رہے اور ایک سانس میں طاق عدد پر ذکر کرے نہ کہ جفت عدد پر۔ بزرگوں نے ایک سانس میں اکیس با نفی اثبات کا ذکر کیا ہے لیکن اصل چیز تعداد کی زیادتی ہی نہیں بلکہ طاق عدد اور ذکر کی اثر آفرینی ہے۔ اثر یہ ہے کہ نفی (لا إله) کرتے وقت خود وجود بشریت منفی ہو جائے اور اثبات (الا اللّٰہ) کے وقت صفات الٰہی کے اثرات میں سے کوئی اثر محسوس کرے۔

۳۔ وقوف قلبی

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرتے وقت سالک قلب کی کیفیت سے واقف رہے اور اس کی توجہ قلب پر جو سینہ کے بائیں جانب ہے) مرکوز رہے اور وہ قلب کو ذکر میں مشغول کرے۔

نقشبند سید کا نام معروف ہونا

حضرت خواجہ بہاؤالدین بخاری سے سلسلہ خواجگانیہ کا نام سلسلہ نقشبندیہ پڑ گیا جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کی ملاقات فجر کی نماز کے بعد حضرت خواجہ زین الدین (م ۸۳۸ھ) خلیفہ حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلال سے ہوئی تو مولانا نے فرمایا: "برائے ماہم اے نقشبند" کہ اے خواجہ ہمارا نقش بھی باندھو یعنی ہمارے حال پر توجہ کرو، یہ سن کر آپ نے تواضع سے جواب دیا" آمدیم تا نقش بریم کہ ہم خو نقش بننے کے لیے آئے ہیں، (اس طرح نقشبند کے دو معنی ہوئے نقش روکنا اور صورت دہندہ یا نقش بنانا) اس کے بعد آپ تین روز تک وہاں مقیم رہے اور اسی روز سے آپ کا لقب نقشبند معروف ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی پہلی صحبت سے ہی سالک کے قلب میں ماسوا کا نقش مٹ جاتا ہے اس لیے آپ نقشبند کے لقب سے مشہور ہوئے۔"(۴۲)

اتباع سنت کی ترویج

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری نے سلسلہ عالیہ کے بارے فرمایا: ہمارا طریقہ نادر اور عروۃ بھی ہے جس میں سنت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کی بدرجہ کمال اقتداء کرنا اور آثار صحابہ کرام کی پیروی کرنا ہے۔ ہمارے طریقہ میں تھوڑے عمل سے بہت ہی فتوحات ہیں مگر اتباع کی رعایت بہت بڑھی ہوئی ہے۔(۴۳)

طریقۂ صحبت

آپ نے اس طریقہ میں صحبت کے طریق کو اختیار فرمایا اس ضمن میں آپ کا ارشاد ہے:

"طریقة ما صحبت است و در خلوت شهرت است و در شهرت آفت، خیریت در جمیعت است و جمیعت در صحبت بشرط نفی بو دن در یك دیگر "(۴۴)

ہمارا طریقہ محبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے، خیریت جمیعت میں ہے اور جمیعت صحبت میں ہے بشر طیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو۔ (صحبت سے مراد مل جل کر رہنا، خلوت سے مراد جدا ہو کر رہنا اور جمیعت سے مراد دل کی یکسوئی ہے کہ اس میں غیر اللہ کے خیالات آکر نہ ٹھہریں یعنی اگر غیر اللہ کا خیال آئے تو اس میں ٹھہرے نہ بلکہ چلا جائے۔)

ادب کا طریقہ

آپ نے اس طریقہ میں ادب پر بھی بہت زور دیا اور فرمایا کہ ہمارا طریقہ ادب ہی ادب ہے، طلب کی راہ کی ایک شرط ادب ہے، ایک ادب حق سبحانہ کی نسبت ہے اور ایک ادب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نسبت ہے اور تیسرا ادب مشائخ طریقت کا ادب ہے۔(۴۵)

آپ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ ہر شیخ کے آئینہ کے دو رخ (روح و نفس) ہوتے ہیں لیکن میرے آئینہ (قلب) کے چھ رُخ (لطائف ستہ نفس، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی) ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں تھوڑا عمل زیادہ ہے لیکن متابعت شرط ہے۔

۹۔ حضرت محمد علاؤ الدین عطارؒ کا طریقۂ علائیہ

حضرت خواجہ محمد علاؤ الدین عطار حضرت بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ کے داماد بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ حضرت خواجہ خواجگان کے دو مرید تھے ایک خواجہ محمد پارسا جنہیں توجہ اور مراقبہ میں بے خودی اور شکر پیدا ہوتا تھا جب کہ خواجہ علاؤ الدین عطار کو محو اور ہوش رہتا۔ آپ حضرت خواجہ کے خلیفہ اول اور نائب مطلق تھے۔ طریقہ علائیہ کے بارے حضرت امام ربانی مجد دالف ثانی فرماتے ہیں:

جان لو کہ ان عزیزوں (اولیا نقشبند) کا جذبہ دو قسم کا ہے:

پہلا جذبہ وہ ہے جو حضرت صدیق اکبر سے پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے ان کا طریقہ حضوراکرم ﷺ کی طرف منسوب ہے اور یہ جذبہ ایک خاص قسم توجہ کے ساتھ جو تمام موجودات کی قیوم ہے اور اس میں استھلاک واضمحلال یعنی فناواستغراق کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔اس کے حصول کا طریقہ وقوف عددی ہے۔

دوسری قسم جذبہ کی وہ ہے جس کے ظہور کا مبد،اس طریق میں حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ ہیں اور یہ جذبہ معیت ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔یہ جذبہ حضرت خواجہ قدس سرہ سے ان کے پہلے خلیفہ خواجہ علاؤالدین قدس سرہ کو پہنچا اور چونکہ میاں اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے اس لیے انہوں نے اس جذبہ کے حاصل ہونے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کیا وہ طریقہ ان کے خاندان کے خلفاء میں طریقۂ علائیہ کے نام سے مشہور ہے۔آپ جذبہ اور سلوک آفاقی کی دو حالتوں سے مشرف ہوئے اور قطب ارشاد کے مقام پر پہنچ گئے۔(۴۶)

اس طریقہ سے متعلق معلومات حضرت عبدالرحمن جامی نے نفحات الانس میں ار علامہ بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس میں تحریر کی ہیں جن میں چند اہم یہ ہیں:

اگرچہ مرشد سے تعلق بھی ایک طرح تعلق غیر ہے اور آخر میں اس کی بھی نفی کرنا چاہیے لیکن ابتداء میں یہ وصول حق ہے اور اس کے ماسوا کی نفی کرنا چاہیے اور مرشد کی رضاجوئی کرنا چاہیے۔

ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ تعلقات جسمیہ کی پورے طور پر فی ہو اور عالم ارواح اور عالم حقیقت کی طرف پوری طرح سے توجہ ہو جائے، سلوک سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیار کسب سے ان تعلقات کو جو حصول راہ میں مانع ہیں چھوڑ دے اور ان تعلق میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر پیش کرتا جائے اور چھوڑتا جائے اور اگر کسی تعلق میں ٹھہر جائے اور اس میں اپنی دلبستگی پائے تو معلوم کرلے کہ وہی تعلق اس کے لیے مانع راحق ہے پس اس کو قطع کرنے کی تدبیر کرے۔

اللہ تعالی کی مہربانی کی طلب ہر وقت کرنی چاہیے، اس کی کم مہربانی کو بھی بڑی مہربانی شمار کرنا چاہیے۔اللہ تعالی کی صفت جباری پر غور کرنے سے تضرع، زاری، توبہ اور انابت پیدا ہوتی ہے۔ جب طالب اپنے اندر رضا کی جانب میلان دیکھے تو اللہ تعالی کا شکر ادا کرے اور اگر رضا کے برعکس میلان ہو تو تضرع اور زاری کرے اور استغناء کی صفت سے ڈرے۔

''التوفیق مع السعی'' یعنی توفیق کوشش کے ذریعے ملتی ہے اسی طرح مرشد سے روحانیت کی مدد بھی اس حد تک ہوتی ہے کہ مرید بموجب مرشد کے سعی کرتا ہے اور اس کوشش کے بغیر اس کی بقا نہیں ہو سکتی۔ خاموشی کے وقت خطرات کی نگہداشت ہونی چاہیے یا دل سے ذکر کرنا چاہیے یا دل کے حالات کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔

خطرات سے بچنا دشوار ہے البتہ بقدر طاقت بشری ہم ان خطرات کو دور کرنے میں میں سال مصروف رہے، پھر بھی اچانک نسبت پر خطرہ گزرا لیکن ٹھہرا نہیں۔ خطرات کو دل کا مسکن نہ بنائیں کیونکہ ان کے شہرنے سے فیض کی نالیوں میں سر اور گرد پڑ جاتی ہے۔

باطن کے حالات کی نگرانی اور ان کے تجسس اور تلاش میں رہنا چاہیے اور مرشد کے حکم کے مطابق سانس نکالنے کے ساتھ خود کو خالی۔ جس کا عشق جتنا زیادہ ہو گا اپنے سے اس کی غیبت اتنی ہی زیادہ ہو گی اور معشوق حق کے ساتھ اس کا حضور اتنا زیادہ ہو گا۔ جب طالب پر یہ جہاں اور وہ جہاں اور ان کے تصرفات پوشیدہ ہو جائیں اور فراموش ہو جائیں تو بینا ہو گی اور جب سالک کی ہستی سالک پر پوشیدہ ہو جائے تو یہ فنا کی فنا ہوتی ہے۔ ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ علمی گفتگو اور مسائل کے مذاکرے کے بعد میں مرتبہ کلمہ استغفار کہنا چاہیے۔

اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارتوں سے اسی قدر فیض حال کرنا چاہیے کہ ان بزرگوں کی نسبت کو پہچان سکے اور اس میں توجہ کرے اور اس میں داخل ہو۔ اگرچہ زیارات مقدسہ میں قرب صوری کا بہت بڑا اعتبار ہے مگر حقیقت میں روحی توجہ کے لیے بعد صوری مانع ہے اس کی دلیل رسول ﷺ کی یہ حدیث ہے: ''صلوا علی حیث ما کنتم فإن صلاتکم تبلغنی''(۴۷) تم جہاں کہیں بھی ہو مجھے پر درود بھیجو بے شک تمہارا درود اور سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

قبور اولیاء کی زیارات سے مقصود ہونا چاہیے کہ ان کے توسط سے توجہ حق سبحانہ قائم ہو جائے اور ان کی ارواح کو کمال توجہ کا وسیلہ بنائے۔ اسی طرح ظاہری طور پر خلق کی تواضع بھی اللہ تعالی کے واسطے ہونی چاہیے۔ مشاہدہ میں ور مثالیہ کا زیادہ اعتبار نہیں بمقابلہ ان کی باطنی حالت کی پہچانت کے۔

ایک سانس میں تین مرتبہ لا الہ الا اللہ اس طرح کہا جائے کہ دائیں طرف سے شروع کرے اور دل پر لائے۔ محمد رسول اللہ بائیں جانب سے نکالے۔ اس کا وقت صبح صادق سے قبل اور نماز مغرب کے بعد کا ہے جب کہ خلوت میں ہو اور مخلوق سے علیحدہ ہو۔ اس کے بعد ایک

سانس میں نو بار یا اٹھارہ بار تک ہونا چاہیے، اگر نتیجہ نہ دے تو از سر نو پھر سے شروع کرے۔ حضرت خواجہ نقشبند فرمایا کرتے تھے مجاورت خلق سے مجاورت حق بہتر ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند کے نزدیک طریقہ مراقبہ، طریقہ نفی اثبات سے اعلیٰ وادنیٰ ہے کیونکہ مراقب مراقبہ سے ملک وملکوت میں نورانیت وتصرف کے مقام پر مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے، اس سے دلوں کو روشنی ملتی ہے اور طالبان حق کے باطن منور ہوتے ہیں اور انہیں دائمی جمعیت حاصل ہوتی ہے۔ خاموش رہنے سے سالک کو خطرات کہ نگہداشت، دل کے ذکر کا مطالعہ اور دل پر گزرنے والے احوال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

صحبت شیخ سنت مؤکدہ ہے جو ہر یا ایک دن کے بعد ہونی چاہیے۔ اگر مرشد دور ہو تو ہر ماہ یا تیسرے ماہ اپنے احوال کی اطلاع کسی بھی ذریعہ سے دیتا ہے اور اپنے گھر میں مرشد کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔ ولایت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب سالک میں اوصاف حیوانی باقی نہ رہیں اور اس آیت "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (سورۃ یونس: ۶۲) جان لو کہ اللہ تعالی کے دوستوں کے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ میں خوف نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو سابقہ حیوانی صفات لوٹ آنے کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔[۴۸]

۱۰۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ

آپ نے تصوف کی بعض اصطلاحات کی وضاحت اس طرح فرمائی:

فناء مطلق

اپنے جملہ اوصاف وافعال کو اللہ تعالی کی طرف بطریق ذوق منسوب کرنا جیسے یوں کہنا کہ میں نے جو لباس پہنا ہے یہ مجھے عار بتا دیا گیا ہے تو اس سے میرا تعلق منقطع ہو جائے گا۔

وصل

دل کو اللہ تعالی کے ساتھ بطریق ذوق جمع پانا۔ واصل وہ ہے کہ اسباب حضور اس سے دور ہو جائیں اور وہ حق تعالی کو بذات خود حاضر جانے۔

ہمت

کسی کام کے واسطے دل کی توجہ اس طرح مرکوز کرنا کہ اس کے خلاف کوئی خیال دل میں نہ آئے۔

اس میں ایمان عمل صالح کی شرط نہیں اگر کوئی کافر بھی کسی کام کے واسطے دل کو جمع رکھے تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

شریعت، طریقت اور حقیقت

ظاہر پر احکام جاری کرنا شریت ہے، جمیعت دل کے ساتھ میل طریقت ہے اور اس جمیعت میں رسوخ حقیقت ہے۔ جیسے کوئی شخص اس طرح کوشش کرے کہ اس کی زبان سے جھوٹ جاری نہ ہو لیکن دل میں داعیہ ہو تو یہ شریعت ہے، اگر دل سے داعیہ جاتا رہے تو بی طریقت ہے اگر باختیار و بے اختیار دل سے یہ بات بالکل جاتی رہے تو سید طریقت ہے۔

کشف قبور

میت کی روح کا مناسب صورت میں صاحب کشف پر ظاہر ہونا کشف قبور کہلاتا ہے۔ لیکن ہمارے خواجگان اپنے آپ کو نسبت سے خالی کر کے انتظار کرتے ہیں کہ کیا ظاہر ہوتا ہے پھر جو کچھ معلوم ہو وہ صاحب قبر کا حال ہے۔

عبادت

عبادت سے مراد اوامر یا احکام پر عمل کرنا اور نواہی سے پرہیز کرنا ہے جبکہ عبودبیت اللہ تعالیٰ کی جناب کی طرف ہمیشہ متوجہ رہنا ہے۔

علم

علم دو ہیں علم وراثت: وہ جس پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے اور علم لدنی وہ جس پر اس سے پہلے کوئی عمل نہ ہو رہا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی عنایت سے بندے کو اپنے پاس سے کوئی خاص علم عطا کرے۔

اجر

اجر بھی دو طرح کا ہے: اجر ممنون: جو کسی عمل کے بدلہ میں نہ ہو بلکہ محض عطاء ربی ہو اور اجر غیر ممنون وہ جو کسی عمل کے بدلہ میں ہو۔

تجلی

تجلی یا کشف کا ظہور بھی دو طرح کا ہے؛ کشف عیانی جو ذہن کی آنکھ سے مقصود کے جمال کا مشاہدہ ہے۔ دوم غلبہ محبت سے غائب مثل محسوس کے ہو جائے۔

سیر

سیر دو طرح کی ہے سیر مستطیل: اس سے مراد بعد در بعد ہے اس سیر میں مقصود کو اپنے دائرہ سے باہر تلاش کرنا ہے، اسے سیر آفاقی بھی کہتے ہیں۔ اور سیر متدبر یعنی قرب در قرب اس سیر میں اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو اپنے اندر سے ڈھونڈنا ہے اسے سیر نفسی بھی کہتے ہیں۔

رجال الغیب کی آمد

ہر زمانہ میں رجال غیب ایسے شخص کی صحبت میں آتے ہیں جو رخصت سے اجتناب کرتا ہو اور عزیت پر عمل کرتا ہو۔ رجال الغیب ارباب رخصت سے بھاگتے ہیں کیونکہ رخصتوں پر مل کر ناضعیفوں کا کام ہے۔ حضرت خواجگان کا طریقہ عزیت پر عمل کرنا ہے۔

باوضو رہنا

ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے دوام وضو سے فراخی رزق ہوتی ہے۔ [۴۹]

۱۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

آپ نے بہت سے متقدمین صوفیہ کرام کے مقامات کی نشاندہی فرمائی اور مقامات سلوک سلوک مجددی سے متعلق معارف بیان فرمائے:

سلوکِ مجددی

آپ سے پہلے سالکین کی سیر صرف ولایت صغری یعنی قلب تک تھی شاذ و نادرہ کسی کو ولایت کبری عطا ہوئی تھی، آپ پر ولایت کبری، ولایت ملاء اعلی، کمالات نبوت، حقیقت ابراہیمی ،حقیقت موسوی، حقیقت محمدی، حقیقت احمدی، حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوۃ اور حقیقت معبودیت منکشف ہوئیں۔ آپ نے اپنے خلفاء کو ایسی ہی سیر کرائی اور اس طریقہ میں آج بھی یہ شیر جاری ہے اور اسے سلوک مجددی کہتے ہیں۔ اس سلوک کے بارے میں آپ نے فرمایا:

۱۔ فرائض کے مقابلے میں نوافل کا کچھ اعتبار نہیں ایک فرض کو اس کے وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل سے بہتر ہے۔ ایک ادب کی رعایت کرنا اور ایک مکروہ سے بچنا فکر و مراقبہ سے بہتر ہے۔

۲۔ بعض مشائخ کا یہ کہنا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے حالت شکر کے کلمات ہیں، نبی کی نبوت بھی اس کی ولایت سے افضل ہے اس لیے کہ ولایت میں تنگی سینہ کے سبب سے خلق کی

طرف توجہ نہیں کر سکتے جبکہ نبوت میں سینہ کی کشادگی کے سب نبیق تعالی کی طرف توجہ طلق کی طرف توجہ میں رکاوٹ ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالی کی طرف توجہ کے مانع ہے۔ (50)

۳۔ موت سے پہلے تین کام کرنے چاہیے: اول اعتقاد کی درستی، دوم فقہ کا علم اور اس پر عمل، سوم سلوک طریق صوفیہ جس کا مقصود اعتقادات شرعیہ میں یقین دہانی حاصل کرنا ہو۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کی ٹیم کی کامل متابعت کے نتیجہ میں جو لوگ مقام نبوت کے کمالات مکمل کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب امامت عطا کیا جاتا ہے اور بعض کو یہ منصب نہیں دیا جاتا حالانکہ حصول کمال میں یہ دونوں برابر ہیں فرق صرف منصب دینے کا یا نہ دینے کا ہے جسے یہ منصب مل جاتا ہے اسے قطب ارشاد کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کی متابعت کے نتیجے میں جو لوگ ولایت نبوت کے کمالات مکمل کر لیتے ہیں ان میں سے بعض کو منصب خلافت عطا کرتے ہیں اور بعض کے لیے حصول کمال ہی کافی قرار پاتا ہے اور بعض کو منصب نہیں دیا جاتا۔ منصب خلافت پر فائز شخص کو قطب مدار کہتے ہیں۔ شیخ ابن عربی کے نزدیک غوث یہی قطب مدار ہیں لیکن فقیر کے نزدیک غوث قطب مدار سے الگ ہے بلکہ اس کا ممد و معاون ہے۔ (51)

۵۔ سارع و وجد مبتدی کے لیے مضر ہے اگرچہ شرائط سماع کے مطابق ہو۔ منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی حضرت خضر علیہ السلام سے نسبت تھی، اس نسبت کی بنا پر حضرت خواجہ خواجگان فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجگان کی نسبت چار جہت ہے ایک حضرت خضر علیہ السلام سے دوسری حضرت جنید بغدادی سے، تیسری حضرت بایزید بسطامی سے جو انہیں حضرت علی کی ذریعے پہنچی اور چوتھی جو انہیں حضرت ابو بکر صدیق سے ملی۔ اس بنا پر اس نسبت کو نمک مشائخ کہتے ہیں۔ (52)

۶۔ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنا عقیدہ علماء اہل سنت کے موافق درست کریں کیونکہ فرقہ ناجیہ یہی بزرگ اور ان کے پیروکار ہیں۔ صوفیہ کے اعتقادات وہی ہیں جو علما حق کے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ علماء کو یہ اعتقادات نقل و استدلال سے حاصل ہوئے ہیں اور صوفیہ کو کشف والہام سے، پس سالک کو چاہیے کہ اہل حق کی تقلید کو لازم جانے۔ سالک کا

کشف جو وحی کے احکام کا مخالف ہو خطا اور غلط ہے۔ سالک کو قرب الٰہی کے عروج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور یہ عروج شیخ کامل کی مکمل توجہ و تصرف پر موقوف ہے۔[۵۳]

۷۔ جب کوئی طالب کسی شیخ کے پاس آئے تو چاہیے کہ شیخ پہلے اسے استخارہ کا حکم دے، تین سے سات استخارہ تک تکرار کرائے۔ سب سے پہلے طالب کو طریق توبہ کی تعلیم دے پھر ذکر کا طریقہ بتائے اور تلقین کرے، اس کی قابلیت کے مطابق اس کو ترغیب دے اور حرام اور مشتبہ لقمہ سے احتیاط کرائے۔

۸۔ طریقہ اوی کے بالکل برعکس حضرت مجدد الف ثانی فوت شدہ لوگوں کو بھی نسبت عطا کرتے، ایک شخص نے اپنے آخری وقت وصیت کی کہ میری نعش حضور کے پاس لے جانا اور طریقہ میں داخل کرنے کے بارے عرض کرنا۔ اس پر اس کا لڑکا اس کا جنازہ آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے فرمایا کہ کل معلوم ہو جائے گا دوسرے دن اس لڑکے نے حلقہ میں دیکھا کہ اس کا باپ آپ کے قریب بیٹھا ذکر میں مصروف ہے۔[۵۴]

۹۔ وحدت الشہود

آپ سے پہلے حضرت محی الدین ابن عربی نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا اس نظریہ کے مطابق دنیا میں وجود ایک ہی ہے، وہی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر دوسری چیز فقط اس کا مظہر ہے لہذا اللہ تعالیٰ اور عالم عین یک دگر ہیں، وحدت بصورت ارواح نزول کرتی ہے اور خود کو بہت سی ارواح میں تقسیم کر دیتی ہے جیسے فرشتے۔ پھر اس کے تنزل سے عالم مثال وجود میں آتا ہے۔ آخری تنزل تعین جسدی (عالم شہادت) کی صورت اختیار کرتا ہے اور اشیا طبعی ظاہر ہوتی ہیں۔ شیخ محی الدین اکبر کے نزدیک مخلوقات بجز اس کے کہ خود خالق نے ان میں ظہور فرمایا ہے اور کچھ نہیں۔ عالم ہی خدا ہے، یہی تجلی ہے جس میں وحدت نے اپنے آپ کو نمودار کیا ہے۔ مزید برآں اللہ اصل ہے اور عالم اس کا مل لیکن عمل نمود ہے اصل کی اور فی الحقیقت وہ اصل ہی ہے جو اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے، پس عالم اور خدا عین یک دگر ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ "وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ" (سورۃ ق:۱۲) (ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کہ خدا خود بندہ کے اعضاء و جوارح کی حقیقت ہے۔ اس طرح حدیث میں جو آیا ہے خلق الآدم علی صورته[۵۵] (آدم کو اپنی صورت میں بنایا) کے معنی ہیں کہ انسان میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ہیں بلکہ وہ صفات

مجسم ہو کر انسان میں موجود ہیں اس لیے کہا گیا ہے: "من غرق نفسه فقد عرف ربه (جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے رب کو پہچان لیا)۔ انسان کا مقصد تخلیق بھی خود شناسی کی طلب کو پورا کرنا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالی نے فرمایا: "کنتُ کنزا مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ''میں ایک چھپا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

جواہر نقشبندیہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے شواہد تجدید کے ذکر میں امام ابن عربی کے نظر میں وحدت الوجود کو اس طرح پیش کیا گیا کہ ابن عربی کے نزدیک تمام کائنات کی اصل اور حقیقت علم الٰہی ہے، انسان، جن، فرشتے، حیوان، زمین، ستارے، عرش، کرسی، لوح و قلم اور جنت و دوزخ ہر شے کے متعلق اللہ تعالی کے علم میں سب کچھ موجود ہے، جس شے کے متعلق جو کچھ علم الٰہی میں ہے وہی اس شے کی حقیقت اور اس کی اصل ہے جب تک علم الٰہی کا ظہور نہیں ہوا تمام حقیقتیں عالم غیب میں مستور ہیں اور علم الٰہی کے ظہور سے حقیقتیں ظاہر ہو گئیں یہ ظاہر حقیقتیں اعیان ثانیہ کہلاتی ہیں جب ان اعیان کے ظہور کا وقت آیا تو ان کا عکس ظاہر ہوا ہی عکس ان کا وجود ہے۔ چونکہ یہ عکس بھی اللہ تعالی کی صنعت و کاریگری ہے اس لیے اس کے واسطے پائیداری ثابت ہے یعنی خارجی شے کے نزدیک کچھ نہیں۔[۵۶]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اس ضمن میں فرماتے ہیں:

کائنات کے حقائق اجزائے عدمیہ میں جو خالی ہیں، ان پر اوصاف الٰہیہ کا پرتو اور ظل پڑا اور ظل عین اصل نہیں ہوتا لہٰذا افتراق ثابت ہو گیا اور وحدت وجود کا نظر میں ختم ہو گیا، لہٰذا جب سالک فنائیت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بحر محبوب کے کچھ نظر نہیں آتا حتی کہ اپنا وجود بھی نہیں دیکھتا لہٰذا اس کی زبان سے اتحاد کا قول نکلتا ہے، کوئی 'انا لحق کوئی سبحانی کہتا ہے اگر اس مقام اور کیفیت کی حالت میں سالک کی عالم میں مراجعت ہوتی ہے تو عالم کے ہر ذرہ میں اسے جمال محبوب نظر آتا ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ ارتقائے سلوک کے تین مدارج ہیں: وجودیت، ظلیت اور عبدیت۔ مقام اول میں انہیں وحدت وجود کا کشف حاصل ہوتا ہے، اس مقام میں تصوف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اور انسان کے مابین جو نسبت ہے اس ایسے علم یقینی میں بدل دیا جائے جو کشف شہودی پر بنی ہو یعنی اللہ انسان اور عالم میں ساری ہے اور اس کی نسبت عالم کے ساتھ عینیت

کی نسبت ہے۔ اس کے بعد سالک مقام ظلیت پر پہنچتا ہے جس میں یہ منکشف ہوتا ہے کہ عالم کا وجود لگ ہے اگرچہ یہ حقیقت کا صرف عکس ظل) ہے لیکن یہاں اثنیت کا ادراک پید ہوتا ہے۔

تیسرا مقام عروج عبدیت کا ہے یا علی ترین مقام ہے یہاں پہنچ کر عالم اور خدا کی اثنیت (دوئی) ان پر واضح ہو جاتی ہے کہ عالم و خدا جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالی اپنے بارے فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ" (سورۃ العنکبوت:٦) (بے شک اللہ تعالی عالمین سے بے نیاز ہے) اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی ذات میں کامل ہے اور صفات جن کے ذریعے وہ عالم کو پیدا کرتا ہے اس ذات کامل کے علاوہ ہیں، عالم تجلی صفات نہیں بلکہ عمل صفات میں اس لیے کہ اگر عالم تجلی صفات ہوتا تو وہ عین صفات ہوتا حالانکہ صفات کامل ہیں اور عالم نقص سے بھرا ہوا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" (سورۃ الصفت:۱۸۰) تیر رب ان صفات سے پاک ہے جن سے وہ اس کی صفت کرتے ہیں) یعنی صفات خداوندی اور صفات انسانی میں کوئی مماثلت نہیں۔

شیخ ابن عربی جب ماسوا کی بات کرتے ہیں تو وہ مقام فنا ہے جہاں سالک کی توجہ ذات احدیت پر مرتکز ہوتی ہے اور سالک کو اللہ تعالی کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ خدا عالم سے الگ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو احکام واعمال اور عالم آخرت بے معنی ہو جاتے۔ عالم حادث ہے اور اللہ تعالی قدیم۔ حادث اور قدیم کو عین یک دگر کہنا ممکن نہیں۔ کسی شے کا ظل اس شے کا عین نہیں ہوتا ظل تو صرف اصل کے مشابہہ ہوتا ہے۔[۵۷]

بہر حال نظریہ وحدت الشہود کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ وحدت ہے۔ مقام فنا میں اس کا وجود نظر سے چپ جاتا ہے اور غلبہ شوق میں اللہ ہی اللہ دکھائی دیتا ہے۔ محض شہود ونمو ہوتا ہے نہ کہ حقیقت۔ فی الواقعہ سب ایک نہیں ہوتا، سالکین مراقبہ وحدت میں لا الہ الا اللہ کی تعبیر لا موجود الا اللہ سے کرتے ہیں پھر وفور محبت الہی میں سالک اپنے محبوب میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہے کہ ہر چیز اس کی نظر سے محو ہو جاتی ہے اور سوائے محبوب کے کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ یہ اس کے شہود کی وحدت ہے نہ کہ وجود کی وحدت کی۔ یہ سلوک کا کمال نہیں بلکہ سلوک کی ایک منزل ہے کمال مقام عبدیت ہے جہاں احکام الہی سے اتنی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ امر کا بجالانا اور کسی نہی سے بچنا اس پر گراں نہیں رہتا۔ ارتقائے روحانی کے اس درجہ کا نام نفس مطمئنہ ہے یہاں آکر انسان ماسوا اللہ کی گرفت سے پوری طرح آزاد ہو جاتا ہے۔

آپ کا یہ نظریہ دلائل منقولہ، ذاتی کشف وشہود اور روحانی تجربات پر ہے۔ اس نظریہ سے وحدت الوجود میں انتہا پسندی کے رجحانات کا سد باب ہوا۔ اس نظریہ سے عابد اور معبود کا فرق واضح ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیہ اور علماء کے اختلافات بھی ختم ہو گئے۔ اس طرح آپ نے پابندی شرع کو سلوک کی آخری منزل (عبدیت) قرار دیا۔

۱۲۔ حضرت خواجہ محمد معصوم

آپ حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے ہیں اور قیومیت کے مقام پر فائز تھے۔

بیعت بالتوکیل

آپ کی طبیعت اور محفل میں جلال کا غلبہ تھا اس لیے بہت سے لوگ جو حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں حاظر نہ ہو سکے انہوں نے اپنے وکیل بھیج کر آپ کی غائبانہ بیعت کی ان میں ترکستان، بدخشان اور خراسان کے حکمران بھی شامل ہیں۔ قیوم کے بارے نے فرمایا: اس دنیا میں اللہ تعالی کا خلیفہ اور قائمقام ہوتا ہے۔ قطب، ابدال اس کے سائے کے دائرے میں ہوتے ہیں اور افراد واوتاد اس کے کمال کے محیط میں شامل ہوتے ہیں، وہ دنیا والوں کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے خواہ وہ اس بات کو محسوس کریں یا نہ کریں۔ اہل دنیا کا قیام اس کی ذات سے ہوتا ہے، قیوم وہ شخص ہوتا ہے جب تک اصالت سے وہ کچھ حصہ نہ رکھتا ہو۔ (۵۸)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ معرفت دو قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جسے علماء نے بیان کیا اور دوسری قسم وہ جو صوفیہ سے مختص ہے۔ پہلی قسم استدلال سے اور دوسری کشف و شہود سے تعلق رکھتی ہے، پہلی قسم دائرہ علم میں داخل ہے اور دوسری دائرہ حال میں۔ پہلی قسم میں نفس کی سرکشی موجود رہتی ہے اس لیے اس ایمان کو ایمان مجازی کہتے ہیں جو زوال وخلل سے محفوظ نہیں۔ دوسری قسم میں سالک کا وجود نااو نفس مطیع ہو جاتا ہے اس لیے اس کا ایمان زوال وخلل سے محفوظ رہتا ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنے علم واجتہاد کے باوجود حضرت بشر حافی کی رکاب میں چلتے تھے اور فرماتے کہ میں علوم کو اس سے بہتر جانتا ہوں لیکن وہ اللہ تعالی کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان اپنی عمر کے آخری دو سال اجتہاد چھوڑ کر گوش نشین ہو گئے اور فرماتے اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ (۵۹)

حضرت امام ربانی مجد دالف ثانی کا وصال ۱۰۳۴ھ کو ہوا اور آپ کے خلفاء کی تعداد جو کہ چالیس سے بھی متجاوز تھی دنیا کے مختلف علاقوں (افغانستان، کاشغر، ترکستان، خراسان، بدخشان، عرب، شام اور روم میں پھیل گئے لیکن خانقاہ مجددیہ سرہند شریف میں مسند خلافت پر آپ کے صاحبزادے عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم متمکن ہوئے۔ آپ کے دست مبارک پر تقریباً نو لاکھ آدمیوں نے بیعت کی اور سات ہزار مریدین کو آپ نے خلافت عطا فرمائی۔[۶۰]

اس طرح یہ سلسلہ دنیا کے ہر کونے میں پھیل گیا۔ جہاں سے اب تک ہر علاقے میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور طریقہ نقشبندیہ کا فیض جاری ساری ہے۔ چند خانقاہوں کا مختصر ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ سندھ کے شیخ موی جن کا تعلق سہون سے تھا پہلے شیخ عیسی لنگوٹیا برہان پوری (انڈیا) سے بیعت ہوئے، آپ کی ارادت حضرت امام ربانی کے ایک اور مرید شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (عبد الکریم) (۱۰۵۰ھ) سے تھی۔ (آپ عثمان پور حسن ابدال کے رہنے والے تھے لیکن کسی غرض سے شیخ موی سے ملنے سندھ تشریف لائے)، شیخ موسیٰ کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ اسحاق بھی ان کے مرید ہوئے۔ (حضرت امام ربانی نے شیخ الحق کو دفتر سوم کے مکتوب نمبر ۷۰ سے بھی تحریر فرمایا)۔

خواجہ ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ حضرت امام ربانی نے شیخ اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا تم میرے بیٹے ہو اور میرے تمام حقیقی و دقیقی رموزات میں میرے خلیفہ ہو)۔[۶۱]

لواری شریف ضلع بدین سندھ[۶۲] ہی سے حضرت آدم بن محمد اسحاق صدیقی (م ۱۰۲۲ھ) اور آپ کے ایک دوست حضرت میاں کبیر محمد حضرت خواجہ حمد معصوم کے مرید ہوئے آپ کے انتقال کے بعد انہوں نے روحانی اسباق حضرت خواجہ مد معصوم کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدین (م ۱۰۹۶ھ) جانشین سرہند شریف سے مکمل کیے۔ میاں کبیر کے جانشین ان کے صاحبزادے میاں محمود اور میاں محمد زمان (م ۱۱۹۹ھ) ہوئے۔ میاں محمد زمان کی روحانی تربیت دو بزرگوں نے کی۔

اول: حضرت خواجہ ذکی مطہری جو حق سبحانہ تعالی کی جانب سے الہام کے مطابق خصوصاً آپ کی تربیت کے لیے دیار عرب سے یہاں تشریف لائے اور تربیت سلوک کے بعد خرقۂ خلافت عطا فرما کے واپس تشریف لے گئے۔[۶۳]

دوم: میاں زمان نے حضرت حاجی احمد علی (م ۱۲۲۳ھ) جن کا تعلق بھی سندھ کے ایک گاؤں نوبصدی سے تھا سے ایک بزرگ کے ارشاد پر آپ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کا روضہ صوبہ سندھ ہی کے شہر قاض جو کہ قاضی احمد شریف کے نام سے مشہور ہے میں ہے۔

حضرت شاہ حسین مکان شریفی (م ۱۲۴۴ھ) نے بھی حضرت حاجی احمد علی سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور پھر حضرت شاہ حسین سے مورث مکان شریف (رنز چھتر) ضلع گورداسپور حضرت قیوم العالم سید امام علی شاہ صاحب (۱۲۸۳ھ) نے سولہ سال کی عمر میں بیعت کی اور قلیل عرصہ میں سلوک وطریقت کی منازل طے کیں، اس طرح آپ سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ شرقپور شریف، حضرت کیلیانوالہ شریف، حضرت کرماں والا شریف، بیربل شریف، جلالپور بھکھی شریف، کوٹلہ شریف ضلع شیخوپورہ) وسطی پنجاب میں پھیل گیا، قیام پاکستان کے بعد سیدنا حضرت امام علی شاہ کی اولاد میں حضرت سید محفوظ حسین بھلیر ۱۱۹ سانگلہ ہل میں مقیم ہوئے، آج کل ان کے صاحبزادے حضرت پیر سید حسام القیوم سجادہ نشین ہیں۔[۶۴]

حضرت سید امام علی شاہ کے ایک صاحب زادے حضرت میر لطف اللہ تھے جو کچی حویلی والے کے نام سے معروف تھے، اس خاندان کی خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت ڈاکٹر سید اظفار حیدر ہیں۔

خواجہ عبد الاحد جو کہ ٹھٹھہ سندھ میں مقیم تھے[۶۵] کے مرید خواجہ محمد حنیف کابلی (۱۰۷۸ھ) تھے۔ انوار معصومیہ کے مطابق جناب کابلی حضرت امام ربانی کے مخدوم زادوں میں حضرت عروۃ الوثقیٰ کے سب سے بڑے اور پہلے خلیفہ تھے اس لیے کہ آپ کو حضرت میر نعمان نے ۱۰۳۷ھ میں سرہند شریف لے جا کر حضرت خواجہ محمد معصوم کا مرید کرایا اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت عطا فرما کر کابل بھیجا۔[۶۶] مسند نشینی کے پیتالیسیوں سال حضرت کابلی کے وصال پر حضرت خواجہ محمد معصوم اتنے مغموم ہوئے کہ تعزیت کے لیے اپنے صاحبزادہ شیخ محمد صبغت اللہ (م ۱۱۲۱ھ) کو کابل بھیجا۔

حضرت خواجہ معصوم کے خلفاء میں ایک خلیفہ حضرت میاں عبد الحکیم قندھاری تھے جن سے حضرت خواجہ نور محمد قندھاری، ان سے حضرت محمد عالم قندھاری، ان سے حضرت راحم دل نے اوران سے حضرت سید فیض محمد قندھاری نے ارادت کی اور ان سے وسطی پنجاب پاکستان میں یہ

سلسلہ جاری ہے، خانقاہ حضرت علامہ محمد صدیق نقشبندی مجددی (م ۲۰۱۱، صفر ۱۴۳۲ھ) کا سانگلہ ہل میں سلسلہ بھی انہی سے جاری ہے۔[۶۷]

اسی طرح حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی (م ۱۱۱۴ھ) جو کہ خواجہ محمد معصوم کے دوسرے فرزند تھے آپ سے خواجہ مدزبیر (م ۱۱۵۲ھ) نے کسب فیض کیا اور آپ سے حضرت سید قطب الدین حیدر (م ۱۱۸۰ھ) نے، آپ سے حضرت سید محمد جمال اللہ رامپوری (م ۱۲۰۹ھ) نے، آپ سے حضرت خواجہ مدیسی گنڈاپور تحصیل کلاچی ڈیرہ اسماعیل خاں نے اور آپ سے حضرت سید محمد فیض اللہ تیراہی (م ۱۲۳۵ھ) نے اور ان سے ان کے صاحبزادے حضرت سید نور محمد چوراہی نے اکتساب کیا اور ان سے چورہ شریف کا سلسلہ شروع ہوا اور چورہ شریف سے مزید ان کی اپنی خانقاہوں کے علاوہ موہڑہ شریف مری، نیریاں شریف (آزاد کشمیر) علی پور سیداں شریف ضلع نارووال کی دونوں خانقاہیں، آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ اور موہری شریف (گجرات) کے سلسلے جاری ہوئے۔[۶۸]

حضرت خواجہ محمد سیف الدین (م ۱۰۹۶ھ) جو کہ خواجہ محمد معصوم کے پانچویں صاحبزادے تھے ان سے حضرت سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) نے کسب فیض کیا اور ان سے حضرت مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ) نے اور آپ سے حضرت شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) نے نسبت قائم کی اور ان سے پاکستان اور ہندوستان میں سلسلہ نقشبندی کی ترویج ہوئی، ان سے اللہ شریف تحصیل پنڈ دادن خاں مضلع جہلم میں انہی خاندان نے اس سلسلہ کی ترویج کی جس کے بانی حضرت غلام نبی للہی (م ۱۳۰۶ھ) ہیں۔[۶۹]

خواجہ محمد سیف الدین کی اولاد میں خواجہ محمد آفاق (م ۱۲۵۱ھ) جن کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (م ۱۳۲۳ھ) اور ان کے خلفاء میں مولانا محمد علی مونگیروی بانی دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنو تھے۔[۷۰]

شاہ عبد الغنی مجددی (۱۲۹۲۴ھ) بن ذکی القدر شاہ ابو سعید فاروقی (۱۲۵۰۰ھ) بن صفی القدر بن شاہ محمد عیسی بن حضرت سیف الدین کے شاگردوں میں مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں اور مولانا شاہ رفیع الدین مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی آپ کے کبار خلفاء میں سے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ مجاز حضرت سید آدم بنوری (۱۰۵۴ھ) سے شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) نے ارادت کی ،اس طرح شاہ ولی الہی خاندان بھی اس سلسلہ سے وابستہ ہو۔(۷۱)

دہلی میں شاہ ابو سعید فاروقی کی بڑی درگا تھی آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ احمد سعید تھے، آپ کی پیدائش تو۱۲۱۷ھ کو رام پور میں ہوئی دس سال کی عمر میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی (۱۸۲۴ء) سے بیعت ہوئے ،حج کے دوران مدینہ منورہ میں آپ کا۱۸۵۹ء کو انتقال ہو، آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالرشید دہلی میں مقیم ہوئے آپ نے بھی حج کے دوران ۱۸۲۹ء کو مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے مقام موسیٰ زئی کے مقیم حضرت مولانا دوست محمد قندھاری (۱۸۲۰۰ء) بھی حضرت شاہ احمد سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت ہوئے۔ حضرت حاجی محمد عثمان دامانی کلاچی (م۷۹۷ء) بھی حضرت دوست محمد قندھاری کے پیر بھائی تھے، حضرت دامانی کے ایک مرید حضرت خواجہ غلام حسن سواگ (م۱۳۸۵ھ) تھے جن کی خانقاہ حسن آباد متصل لعل کروڑ عیسن ضلع مظفر گڑھ میں ہے، ساڑھے چھ سو کے قریب غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت سواگ کے ایک مرید خاص حضرت خواجہ محمد عبد اللہ المعروف پیر بارو(م۱۹۷۹ء) تھے، آپ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ فقیر محمد باروی خانقاہ باروی فتح پور ضلع لیہ کے مند نشین ہوئے، ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴، آپ۔پ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ حمد حسن باروی کو اس خانقاہ کا جانشین مقرر کیا گیا۔(۷۲) حضرت خواجہ مد معصوم عروۃ الوقی سے ان کے صاحبزادے خواجہ محمد صفت اللہ، ان سے خواجہ محمد اسماعیل ان سے خواجہ معصوم ثانی، ان سے حضرت شاہ غلام محمد ، ان سے حضرت حاجی محمد صفی ،ان سے حضرت شاہ محمد ضیاء الحق ان سے حضرت شاہ ضیا عرف میاں جی، ان سے حضرت صاحب شمس الحق کوہستانی ،ان سے حضرت شاہ رسول الطالقانی ،ان سے حضرت مولانا محمد ہاشم سمنگانی اور ان سے حضرت اخونزادہ سیف الرحمن سے سلسلہ سیفیہ جاری ہے۔(۷۳)

اسی طرح اور دیگر بہت سی خانقاہوں جیسے ٹنڈو سائیں داد سندھ ملا شور بازار کابل ، نیاری شریف، گنج مراد آباد شریف، دہلی میں شیخ عبدالاحد ، شاہ غلام علی مظہر یہ، شاہ ابوالخیر ، پانی پت شریف، توکلیہ انبالہ سید اشریف وغیرہ کا ذکر جناب محمد یوسف مجددی (م۱۹۹۷ء) نے اپنی کتاب جواہر نقشبندیہ میں کیا ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اس ارتقاء سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علم تصوف میں بھی دیگر علوم کی طرح ارتقاء کی کیفیت رہی اور تزکیہ نفس کے طریق کار میں قرآن وحدیث کے علاوہ صوفیہ کرام کے اپنے احوال اور کشف بھی شامل ہیں جن سے اس طریقہ میں وسعت پذیری ہوتی رہی نیز ایک سلسلہ کی تعلیمات میں دوسرے سلسلے کی تعلیمات کو شامل کیا گیا جس سے سلاسل تصوف میں باہم ہم آہنگی کا تصور پایا جاتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ان مقاصد کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۹، ۱۵۱، سورۃ آل عمران: ۱۶۴ اور سورۃ الجمعۃ: ۲ میں موجود ہے۔

۲۔ ان دونوں اصحاب سے سلسلہ تصوف جاری ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہا کو کوئی طریقہ سلوک نہیں تھا۔ اس ضمن میں حضرت امام ربانی مکاشفات عینیہ کے مکادمہ اول میں فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق کا مسلک جدا ہے اسی طرح حضرت ذوالنورین کا مسلک بھی الگ ہے۔ اور سالکوں کا ان چار مسلکوں پر سلوک واقع ہے البتہ حضرت فاروق اور حضرت ذوالنورین کے مسالک مخفی تھے اور ان پر چلنا دشوار تھا۔ اس حقیر نے بعض اکابر مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے حضرت فاروق کے مسلک میں سلوک کیا ہے اور حضرت غوث الثقلین اس مسلک کے ذریعہ غیب ذات تک واصل ہوئے، اسی طرح حضرت ابوسعید خراز (احمد بن عیسی) خراز (م ۲۷۷ھ) بھی حضرت فاروق کے مسلک پر چلے۔ (امام ربانی شیخ امد سرہندی، مکاشفات عینی، (اول مکاشفہ)، ادارہ ۵۔ ابو جعفر حمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل القرآن المعروف ب تفسیر طبری، داراحیاء التراث العربي، امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع صحیح کتاب فضائل اصحاب الباب قول ان اوست۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبری، (ذکر وصیۃ ابی بکر، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۴ء، جلد ۲، ص ۱۷۶۔ و۔ امام احمد بن حنبل، الزہد، ذکر ہد ابی بکر الصدیق نمبر ۵۲۵)، دارالحدیث، قاہرہ ۲۰۰۴، ص ۱۴۷۔ ۱۰۔ قاضی ابونصر سراج طوبی، کتاب اللمع، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، سفن بی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل، حدیث نمبر ۱۳۲۹ میں یہ الفاظ مجددی، کراچی، ۱۹۶۵ء س ۹۰-۹۱)

۳۔ علی بن برہان الدین حلبی، انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون شر کی مصطفی البابی مصر (ت-ن)، ج ۱، ص ۲۳۶

۴۔ پیر کرم شاہ، ضیاالنبی سیم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۲۰ھ، ج ۲، ص ۱۵۴

۵۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل القرآن بالمعروف بہ تفسیر طبری، داراحیا التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء، ج ۲۴، ص ۷

۶۔ محمد بن اسماعیل بخاری، امام، الجامع الصحیح (کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلاً، رقم الحدیث: ۳۶۷۵

۷۔ ابو عبداللہ، امام، حاکم المستدرک علی الصحیحین، (کتاب معرفۃ الصحابہ، باب الاحادیث الشعرۃ بتسمیۃ أبی بکر صدیقا) دارالمعرفۃ، بیروت، (ت ن)، ج۳، ص ۶۲

۸۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، (ذکر وصیۃ ابی بکر)، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، ج۲، ص۱۷۶

۹۔ احمد بن حنبل، امام، الزہد (ذکر زہد ابی بکر الصدیقؓ، نمبر ۵۶۵)، دارالحدیث، قاہرہ، ۲۰۰۴ء، ص ۱۴۷

۱۰۔ ابونصر سراج طوسی، قاضی، کتاب اللمع، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص ۱۹۴

۱۱۔ احمد، امام، المسند، (رقم الحدیث ۸۲۵) ج۱، ص ۱۰۹

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل، حدیث نمبر ۱۳۲۹ میں یہ الفاظ ایسے مروی ہیں: ان النبي صلى الله عليه وسلم خرج ليلة فإذا هو بأبي بكر يصلي يخفض من صوته۔۔۔اسمعت من ناجيت يا رسول الله! أو قظ الوسنان وأطرد الشيطان صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر صدیق کی فکر سے متعلق ایک اور حدیث بھی اس طرح مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب کسی وادی میں اترتے تو ہم پڑھتے لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور ہماری آوازیں بلند ہو جاتیں تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو! اربعوا على أنفسكم فإنكم لا تدعون أصم ولا غائباً إنه معكم، إنه سميع قريب اپنی جانو کے ساتھ نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے کو نہیں پکار ہے اور نہ ہی کسی غائب کو پکار رہے ہو، بے شک وہ تمہارے ساتھ ہے بے شک وہ سننے والا قریب ہے۔(امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، حدیث نمبر ۲۹۹ (۴۲۰۲۰

۱۲۔ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ مولوی فیروز دین، (ساتواں باب پہلی فصل)، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۶ء ص ۱۰۵

۱۳۔ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، (باب ۶۲ بعض مصطلحات تصوف کی توضیح و تشریح)، مترجم شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۷ء، ص ۷۰۰

۱۴۔ مقام مشاہدہ سے مراد وہ مقام ہے جس میں سالک اسماء وصفات کی جہت سے حق کا مشاہدہ کرتا ہے جبکہ مقام مجاہدہ سے مراد وہ مقام ہے جس میں سالک نفس کو اس کی صفات سے مجرد کرنے اور اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنے کی عملی کوشش کرتا ہے۔
(شاہ سید محمد ذوقی سر دلبراں الفیصل ناشران کتب، لاہور، (س۔ن) ص ۳۶۱ ۳۶۴)

۱۵۔ شہاب الدین سہروردی، عوراف المعارف (ذکر حضرت ابو بکر صدیق) ص ۲۹۳

۱۶۔ حضرت قاسم بن محمد کی والدہ کا نام حضرت اسماء بنت عمیس تھا جو کہ پہلے حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر کے عقد میں تھیں، حضرت جعفر طیار کی جمادی الاولی ۸ ہجری کو ہونے والے غزوہ موتہ میں شہادت کے بعد آپ سے حضرت ابو بکر صدیق نے نکاح کیا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت اسان کا نکاح حضرت علی سے ہو گیا۔ (امام ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، رقم ۱۰۸۰۰، المتبۃ المعرفویہ، کوئٹہ ۲۰۱۲ء، ج ۴، ص ۲۴۱۷)

۱۷۔ محمد یوسف مجددی، جواہر نقشبندی، (وصل ششم در حالات حضرت امام جعفر صادق، مکتب انوار مجددیہ، فیصل آباد، ص ۱۴۲

۱۸۔ ربانی، امام، مکاشفات عینیہ ص ۱۹۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۰

۱۹۔ محمد یوسف مجددی، جواہر نقشبندیہ، ص ۱۴۳

۲۰۔ ربانی، امام، مجدد الف ثانی، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۹۰

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ تزکیہ نفس کا جو طریقہ حضرت علی بن ابی طالب سے شروع ہوا آپ سے اس کا اکتساب حضرت حسن بصری نے کیا۔ ان سے حضرت حبیب عجمی بغدادی (م ۱۵۲ھ) نے، ان سے حضرت داؤد طائی (۱۲۵۰ھ)، ان سے حضرت معروف کرخی (۲۰۰۰ھ)، ان سے حضرت سری سقطی (م ۲۵۳ھ) اور آپ سے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) نے کسب فیض کیا۔ آپ کے بعد یہ طریقہ جنیدی طریقہ کے نام سے موسوم ہوا جس کا مرکز عراق کا شہر بغداد تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر بلی (۳۳۴ھ)، حضرت شیخ عبد الواحد تمیمی (م ۴۲۵ھ)، حضرت شیخ ابو الفرج طرطوی (م ۴۴۷ھ)، حضرت شیخ ابو الحسن بکاری (۴۹۶ھ)، حضرت شیخ ابو سعید خزوی (م ۵۱۳ھ) اور آپ کے بعد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (م ۵۲۱ھ) سے سلسلہ قادریہ کے نام سے اب تک جاری ہے۔ (ان بزرگوں میں جناب طرطوسی کے علاوہ سب کا تعلق بغداد سے تھا)۔ فرقہ جنیدیہ: جنید بن محمد ابو القاسم (م ۲۹۷ھ) اس سلسلہ جس کا دوسرا نام طریقہ عراقی ہے کے بانی ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت یوں تھا حضرت جنید بغدادی مرید تھے حضرت شیخ سری

سقطی (م ۲۵۷ھ) کے، آپ مرید تھے حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) کے مآپ حضرت داؤد طائی (م ۱۲۵ھ) کے مرید تھے۔ آپ حضرت حبیب عجمی (م ۱۵۲ھ) کے مرید تھے اور آپ نے حضرت حسن بصری کے ہاتھ پر توبہ کی اور حضرت حسن بصری حضرت علی سے اویسی طریق سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کا فرقہ طیفوری مذہب کے بر عکس صحوپنی تھا، اس کے علاوہ اس فرقہ میں پابندی شرع، جلوت، رفاقت اور موجود مرشد کو ضروری قرار دیا گیا، انہی خصوصیات کی بنا پر علماء نے عراقی تصوف کو تسلیم کیا اور حضرت جنید بغدادی کو شیخ الطریقت کا لقب دیا۔ باطن کا مراقبہ جنیدیوں کا امتیاز ہے اس میں ریاضت و مجاہدو فائدہ مند نہیں ہوتا۔(صاحبزادہ عبد الرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۱۶۵)

حضرت حسن بصری کے ایک مرید حضرت خواجہ ابوالفضل عبد الواحد بصری (م ۱۷۷ھ) سے ایک اور سلسلہ جاری ہوا جس میں آپ سے حضرت فضیل بن عیاض مکی (م ۱۸۷ھ)، آپ سے حضرت ابراہیم بن ادہم شامی (م ۲۸۰ھ) نے، آپ سے حضرت سید سدید الدین حذیفہ شامی المرعشی (۲۵۲ھ) نے، آپ سے حضرت امین الدین ابو ہبیرہ بصری (م ۲۸۷ھ) نے، آپ سے حضرت ممشاد علی دینوری (م ۲۹۹ھ) نے اور آپ سے شیخ خواجہ ابو اسحاق چشتی شامی (م ۳۲۹ھ) ڈاکٹر خلیق نظامی کے مطابق چشت خراسان کے قریب ایک مشہور شہر کا نام ہے وہاں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا جسے بہت شہرت حاصل ہوئی وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا۔(ڈاکٹر خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، (س۔ن)، ص ۱۵۹۔ فیض یاب ہوئے جن سے سلسلہ چشتیہ کا آغاز ہوا جس کے زیادہ بزرگوں کا تعلق شام سے تھا۔

حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری سے ایک اور سلسلہ کا اس طرح آغاز ہوا کہ آپ کے ایک مرید حضرت احمد اسود دمینوری (۳۴۰۰ھ) سے حضرت شیخ ابو محمد عمویہ سمرقندی (م ۳۷۳ھ) نے ان سے حضرت قاضی وجیہ الدین بغدادی (م ۴۶۲ھ) نے، ان سے حضرت ضیاء الدین ابو نجیب عبد القاہر سہروردی بغدادی (۵۲۳ھ) آپ ۴۹۰ھ میں زنجان کے مضافات میں واقع سہرورد کے مقام پر پیدا ہوئے، بارہ واسطوں سے آپ کا نسب حضرت ابو بکر صدیقی سے جاملتا ہے۔ آپ نے بغداد میں امام احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ)، احمد بن علی خطیب بغدای (م ۴۶۳ھ) اور حضرت ابوالقاسم القشیری (م ۴۶۵ھ) جیسے صاحبان علم کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ روحانی لحاظ سے آپ حضرت احمد غزالی (۵۱۰۰ھ) (جن کا سلسلہ طریقت حضرت جنید بغدادی سے ملتا تھا، حضرت قاضی وجیہ الدینی (۴۶۲۴ھ) اور شیخ عبد القادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کی صحبت میں بھی

رہے۔ (عبد الرحمن جامی نفحات الانس، ص ۶۵ ۵، داراشکوہ، سکینۃ لاولیاء، مترجم مقبول بیگ بدخشانی، پیکجز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۳۹۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، کتب خانہ علویہ رضویہ، فیصل آباد، (س۔ن)، ص ۱۱۶۔ نے اکتساب فیض کیا جن سے بغداد ہی میں سلسلہ سہروریہ کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ تاحال قائم ہے۔ سلاسل تصوف کی اس ارتقائی تاریخ سے یہ واضح ہوتا کہ می سلاسل دوصحابہ کرام تک نبی ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت تک سلسلہ جنیدیہ کی متعدو تعلیمات سلسلہ نقشبندیہ میں شامل ہو چکی ہیں۔ ان سلاسل کی تعلیمات کو اگر غور سے دیکھا جائے کہ ان میں بہت سے امور میں یکسانیت پائی جاتی ہے جیسے اتباع رسول سی نفس کی مخالفت، خدمت خلق اور دعوت و تبلیغ وغیرہ لیکن چند مسائل میں ہر روحانی فرقہ کو انفرادیت بھی حاصل ہے جس کی بنیاد علاقائی مسائل یا جسے عرف بھی کہا جاسکتا ہے اور صوفیہ کے اپنے احوال ومشاہدات اور مقامات میں جیسے نسبت صدیقی، ذکر خفی، عزبیت پر عمل، وحدت الشہود اور اتباع سنت میں تختی سلسلہ نقشبندی کی اور سماع و قوالی سننا، ذکر جہری اور وحدت الوجود دیگر سلاسل کی خصوصیات ہیں۔ ان سلاسل کی تاریخ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وسط ایشاء کا علاقہ حدیث اور فقہی علوم کے ساتھ ساتھ تصوف اور تزکیہ نفس کے حوالے سے دنیا کے دیگر علاقوں سے ممتاز رہا۔

۲۳۔ عبد الرسول، صاحبزادہ، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ذکر حضرت نجدوانی، مکتبہ زاویہ، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۲۰۵

۲۴۔ عبد الرحمن جامی نفحات الانس، مترجم و نخص محمد ادریس انصاری، ادارہ تبلیغ اسلام، صادق آباد س۔ن، (حضرت ابویزید بسطامی۔۳۸)، ص ۱۵۲

۲۵۔ ابونعیم احمد بن عبد اللہ، حافظ، حلیۃ الاولیاء، مترجم، مولانا محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶ء، ذکر ابویزید بسطامی، حصہ دہم ص ۳۲۱

۲۶۔ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شافعی، حافظ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، حصہ دہم ص ۳۲۱
عبد الوہاب الشعرانی، الطبقات الکبری، مترجم، عبد الغنی وارثی نفیس اکیڈیمی، کراچی، (ت۔ن) ص ۲۲۹

علامہ ابوالفرج عبد الرحمن ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ مصر، جلد ۴، ص ۸۴
عبد الرحمن جامی نفحات الانس، ص ۱۵۲

۲۷۔ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شافعی، حافظ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، حصہ دہم ص ۳۲۱-۳۲۲

۲۸۔ ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی، علامہ، صفۃ الصفوۃ، جلد ۴، ص ۸۶-۸۷

۲۹۔ ایضاً۔ حافظ ابو نعیم احمد، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، حصہ دہم، ص ۳۲۴

۳۰۔ علی بن عثمان، کشف المحجوب، ذکر حضرت بایزید بسطامی ص ۱۷۱

حافظ ابونیم، حلیۃ الاولیا حصہ دہم، ۲۳۲۴

۳۱۔ علی بن عثمان، کشف الخوب، ذکر حضرت بایزید بسطامی بس ۱۷۱

امام ابوالقاسم القشیری، رسالہ قشیری، ترجمہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۷۲

۳۲۔ صاحبزادہ عبد الرسول، تاریخ مشائخ نقشبندی اس ۱۶۵

۳۳۔ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، علامہ عبد الرحمن شوق، ملک سراج الدین، لاہور، ۱۹۵۸ء، ذکر حضرت بایزید بسطامی پس ۱۵۱ مولانا محد حسن، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، ذکر سلطان العارفین بایزید بسطامی، قادری رضوی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۰۳، ۱۱۹۳۶۲ ۳۴۔ حضرے بایزید بسطامی کے ان کلمات کے بارے حضرت امام ربانی مجد والف ثانی نے مکتوبات میں بہت سیر حاصل بحث کی ہے تفصیل کے لیے دیکھیے: مکتوبات جلد اول، مکتوب نمبر: ۱۰۰، ۲۰۲، ۲۲۰، ۳۰۲، جلد دوم مکتوب نمبر: ۱۰، ۲۱، ۵۵ جلد سوم، مکتوب نمبر: ۸۹۰۸۷، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲

۳۵۔ عبد الرسول، صاحبزادہ، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ذکر حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی ص ۱۹۰

محمد ادریس انصاری، حیات صوفی تلخیص فلحات الانس لعبد الرحمن جامی، ادارہ تبلیغ اسلام، صادق آباد، (ت۔ن) ۵۰۲

مولانا محمد حسن، مشائخ نقشبندیہ مجددیہ اس ۱۳۶

۳۶۔ احمد، امام، المسند، (رقم الحدیث ۱۲۶۲۰)، جلد ۳ ص ۱۵۶، ۲۸۵

امام نورالدین، مجمع الزوائد، کتاب الزہد، باب ما جاء فی الریاء، (رقم الحدیث: ۱۷۲۲۰)، جلد ۱۰، ص ۲۷۳

۳۷۔ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ترجمہ، خواجہ احمد حسین، ملک چنن دین، لاہور، ۱۳۴۳ھ، جلد اول، ص ۸۶۔۸۹

۳۸۔ ایضاً ۱۰۳

۳۹۔ عبد الرسول، صاحبزادہ، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۶۵

۴۰۔ ربانی، امام، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۸۲

۴۱۔ عبد الرسول، صاحبزادہ، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۲۲

۴۲۔ شاہ ابو سعید فاروقی، حضرت، ہدایت الطالبین، ص ۲۱
محمد یوسف، جواہر نقشبندیہ، ص ۲۰۴

۴۳۔ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، ص ۱۴۱

۴۴۔ عبدالرحمن جامی، مولانا، نفحات الانس، ص ۵۱۶

۴۵۔ محمد یوسف، جواہر نقشبندیہ، ص ۲۰۸

۴۶۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوبات، جلد اول، مکتوب ۲۹۰
جذبہ کے بارے سلسلہ نقشبندیہ میں یہ بھی فرمایا گیا:

وصول الی اللہ کے طریقہ کے دو جزء ہیں ان میں ایک جذبہ ہے۔ جذبہ سے تصفیہ حاصل ہوتا ہے جو جذبہ سلوک پر مقدم ہے وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں اور جو تصفیہ تزکیہ سے پہلے ہوتا ہے وہ بھی اصل مطالب میں سے نہیں البتہ وہ جذبہ جو سلوک کے بعد ہوتا ہے اور وہ تصفیہ جو تزکیہ حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے وہ مقاصد مطلوبہ میں سے ہے یہ میری اللہ میں سے ہے۔ (امام ربانی مکتوبات، جلد ۱، مکتوب ۲۲)۔ جذب کا معنی کشش ہے یعنی اللہ تعالی کا بندے کو اپنی طرف کھینچ لینا۔ مجذوب وہ شخص ہوتا ہے جس پر اللہ تعالی کی طرف سے ایسا جذبہ طاری ہو جائے کہ بلا کسب و مجاہد محض اللہ تعالی کے فضل سے اس کے باطنی مقامات طے ہو جائیں اور اسے وصل باللہ ہو جائے لیکن بقا بعد الفنا صحو بعد الحو اور جمع الجمع کے مرتبے تک نہ پہنچے۔ پہلا وہ جذبہ ہے جو حضرت ابو بکر صدیق سے پہنچا ہے اور اسی اعتبار سے ان کا طریقہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے اور یہ جذبہ ایک خاص قسم کی توجہ کے ساتھ جو تمام موجودات کی قیوم ہے اور اس میں استہلاک واضمحلال یعنی فناء واستغراق کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ یہ جذبہ سیر نفسی کا نام ہے۔ اللہ تعالی کے فضل اور مرشد کامل کی توجہات سے سیر انفسی میں عالم امر کے لطائف کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور لطائف اپنی اصل میں فنا ہو جاتے ہیں، اس کیفیت کو جذب کہتے ہیں اور اس تربیت کے حاصل کرنے والے کو مجذوب کہتے ہیں۔

جذبہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ظہور کا مبداء اس طریق میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری قدس اللہ سرہ ہیں اور یہ جذبہ معیت ذاتیہ کی راہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ حضرت خواجہ قدس سرہ سے ان کے پہلے خلیفہ خواجہ علاؤالدین قدس سرہ کو پہنچا۔ چونکہ میا اپنے وقت کے قطب ارشاد (اللہ تعالی کا وہ ظاہر ولی جو ان فیوض و برکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو دنیا کے ارشاد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں۔) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سر والعزیز کو بھی اللہ تعالی نے مقام ارشاد کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ (امام ربانی، معارف لدنی، معرفت: ۳۵۔ امام

ربانی، مبدأ و معاد، منہا:۲۱ تھے اس لیے انہوں نے اپنے اس جذبہ کے حاصل ہونے کے لیے ایک خاص طریقہ وضع کیا اور وہ طریقہ ان کے خاندان کے خلفاء میں طریقہ علائی کے نام سے مشہور ہے۔(مکتوبات جلد ا، مکتوب ۲۹۰)

اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں کیا گیا: "اَلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ "(سورۃ الشوریٰ:۱۳) اس آیت میں اجتباء سے مراد جذبہ ہے اور ابتداء سے مراد سلوک ہے۔اس آیت کی روشنی میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں جذبہ کو سلوک پر مقدم سمجھا جاتا ہے۔

جذبہ کی دو اقسام ہیں:

جذبہ صوری: وہ جذبہ جو سیر فی اللہ سے قبل ابتداء سلوک میں تصفیہ لطائف سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور صرف تسہیل منازل سلوک کے لیے عطا کیا جاتا ہے اس کو جذبہ صوری، جذبہ ہدایت یا جذبہ اولی کہا جاتا ہے۔ یہ جذبہ سلسلہ عالیہ نقشبندی کا خاصا ہے، یہ نعمت حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری نے اپنے مخلصین کو بطور خیرات وصدقہ جاریہ عطا فرمائی ہے،(امام ربانی مکتوبات، جلد ۲، مکتوب ۳)۔اس جذبہ کے حصول کا طریقہ تکرار اسم ذات نفی اثبات حبس دم اور رعایت وقف عددی ہے۔ دوسرے سلاسل میں اس جذبہ ابتدائی کے حصول کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں۔

جذبہ حقیقی: وہ جذبہ جو سیر فی اللہ کے دوران انتہائے سلوک میں حاصل ہوتا ہے اسے جذبہ حقیقی، جذبہ نہایت یا جذبہ ثانیہ کہتے ہیں، یہ جذبہ تمام سلاسل طریقت میں موجود ہے۔

جذبہ ہدایت: اس جذبہ کا دوسرا نام اندراج النہایت فی البدایت ہے جو سلسلہ نقشبندی کا خاصہ ہے اور سالک کے مقاقلب یعنی فنا تک پہنچنے کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔

جذبہ نہایت: جب سالک اپنے اسم مربی اور مبدا فیض تک باریابی حاصل کر لیتا ہے تو نفس مزکی ہو کر نزول کرتا ہے جب کہ روح عروج کرتی ہے، وہ جذبہ جو روح کو نزول نفس کے بعد عروج دیتا ہے جذبہ نہایت کہلاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جذبہ نہایت روح کا خاصہ ہے جب کہ جذبہ ہدایت نفس اور روح وغیرھا تمام لطائف کو اجتماعی طور پر عروج میں مدد دیتا ہے، جذبہ نہایت سلوک طے کرنے کے بعد ملتا ہے جو تمام سلاسل طریقت کا مشترکہ خاصہ ہے۔(امام ربانی مکتوبات ۶۲:۱)

۴۷۔ ابن ابی شیبہ ، امام ، مصنف ، (کتاب الصلوات ، باب فی الصلوة عند قبر النبی ﷺ واتیانہ)، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۹۸۶ء، ج ۲، ص، ۳۷۵

۴۸۔ عبدالرحمن جامی، نفحات الانس، ص ۵۲۴-۵۲۶

۴۹۔ عبدالرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۹۲

۵۰۔ ربانی مکتوبات، امام، دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹، ۱۰۸

۵۱۔ ایضاً!، دفتر اول، مکتوب ۲۵۶

۵۲۔ عبدالرسول، صاحبزادہ، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۷۸

۵۳۔ ربانی، امام، مکتوبات مکتوب نمبر ۱۹۳، ۲۸۲

۵۴۔ عبدالرسول، صاحبزادہ، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۳۸۰، ۳۷۸

۵۵۔ ابو عوانہ، امام، مسند ابی عوانہ، جلد اول ص ۱۸۸، امام بیہقی، الاسماء والصفات ص ۲۸۹۔

۵۶۔ محمد یوسف مجددی، جواہر نقشبندیہ، ص ۲۸۹

۵۷۔ ربانی، امام، مکتوبات، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۰۸، ۲۶۲، ۳۰۹
جلد دوم مکتوب نمبر ۴۵، ۲۱، جلد سوم مکتوب نمبر ۱۲۳۱۲۲۱۱۰

۵۸۔ محمد یوسف مجددی، جواہر نقشبندیہ، ص ۲۸۹

۵۸۔ محمد معصوم، خواجہ، مکتوبات معصومیہ، مترجم، سید زوار حسین، ادارہ مجددی، کراچی، ۱۹۷۸ء، جلد اول مکتوب ۸۲، صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ: ۴۱۱

۵۹۔ ایضاً، جلد دوم، مکتوب ۲۱

۶۰۔ زوار حسین ، سید ، انوار معصومیہ ، (حضرت عروۃ الوثقیٰ کے خلفاء عظام ، ادارہ مجددیہ ، کراچی ۱۹۸۰ء، ص ۳۴۱

۶۱۔ محمد ہاشم کشمی، خواجہ ، زبدۃ المقامات (ذکر شیخ کریم الدین حسن ابدالی) مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ ، (ت۔ن)، ص ۵۲۶

۶۲۔ بدین سے زن کچھ جانے والی سڑک پر بدین سے تقریباً دس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

۶۳۔ احمد علی دھرم کوئی، سید، حیات قیومیہ من آیات قرآنیہ، مترجم، سید بشارت حسین مکان شریفی، مرکز احیاء السنۃ، بھلیر ۱۱۹، سانگلہ ہل، (ت۔ان) ۶۰-۵۶)

۶۴۔ محمد یوسف مجددی، جواہر نقشبندیہ، (ذکر آستانہ عالیہ کان شریف) ص ۶۴۵

۶۵۔ ان کے صاحبزادے شیخ آدم تیتی (ٹھٹھوی) صدیقی (۱۰۸۰۰ھ) حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔ حضرت خواجہ کی طرف سے آپ کو تحریر کردہ تین مکتوب مکتوبات معصومیہ دفتر دوم میں مکتوب نمبر ۶۳۰۵۹، ۷۷ میں موجود ہیں۔

۶۶۔ زوار حسین، سید، انوار معصومیہ، ص۳۳۹

۶۷۔ محمد یوسف مجددی، جواہر نقشبندیہ، ص۴۶۷

۶۸۔ ایضاً، ص۳۳۳، ۲۰۴

۶۹۔ ایضاً، ص۳۷۷

۷۰۔ ایضاً، ص۶۳۱

۷۱۔ ایضاً، ص۶۲۷

۷۲۔ محمد طاہر عزیز، اداریہ نالۂ دل' مجلہ سہ ماہی الفقیر، انجمن حسینیہ بارویہ، لاہور (جلد ا، شمارہ ۴۰، ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ)، ص۸-۹

۷۳۔ محمد عابد حسین سیفی، پیر، معمولات سیفیہ، (سلسلہ عالیہ طریقہ نقشبندی)، السیف الصارم پبلشرز، لاہور کینٹ، ۱۹۹۶ء ص۸۸